تبلیغی جماعت

حقائق و معلومات کے اُجالے میں

مولفہ

علامہ ارشد القادری مدیر "جامِ نور" جمشید پور

الناشر

مظہرِ فیضِ رضا۔ برج منڈی لائل پور

بڑے بھولے بھالے بڑے اللہ والے
ریاضؔ آپ کو بس ہمیں جانتے ہیں!

تبلیغی جماعت

حقائق و معلومات کے اُجالے میں

—— مؤلفہ ——

علامہ ارشد القادری مدیر "جامِ نور" جمشید پور

—— الناشر ——

مظہرِ فیضِ رضا —— بُرج منڈی —— لائل پور

نام کتاب ـــــــــــــــــــــ تبلیغی جماعت

مؤلف ـــــــــــــــــــــ علامہ ارشد القادری

طابع ـــــــــــــــــــــ الکتاب - لاہور

ناشر ـــــــــــــــــــــ مظہر فیض رضا - برج منڈی - لائلپور

کاتب ـــــــــــــــــــــ محمد شریف گل - لاہور

قیمت ـــــــــــــــــــــ 7/50 روپے

انتساب

اُن نیک دل مسلمانوں کے نام جو اپنی سادہ لوحی سے ایمان کے اُن رہزنوں کو دین کا خادم سمجھتے ہیں، جو بستر اٹھا کر "تبلیغی گشت" کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کی جگہ "تبلیغی نصاب" کی تلاوت کراتے پھرتے ہیں۔

خدا کرے یہ کتاب انھیں حقیقت کا عرفان بخشے اور وُہ اپنی خوش فہمیوں کی مصنوعی جنّت سے لَوٹ آئیں۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

از بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی استاذ دار العلوم اشرفیہ مبارکپور

"تبلیغی جماعت" دہلی کی ایک گمنام مسجد سے بگولے کی طرح اٹھی اور ہندوستان کے پورے افق پر طوفان بن کر چھا گئی۔ اس کے اس قبول عام کی پشت پر کچھ تو اس کے نعرے "کلمہ" اور "نماز" کی دلکشی کام کر رہی ہے، کچھ اس کے ورکروں کی انتھک جد وجہد کا اثر ہے اور کچھ جاہل اور بے عمل عوام کو (جو اس احساسِ ندامت کے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے کہ ہم عصیاں شعار اور علم وعمل کے تہی دست نیکیوں سے خالی ہیں) یہ سبز باغ ابھار رہا ہے کہ بیک گردش چلہ آلودگی کی اس پستی سے نکل کر صحابہؓ اور انبیاء کی صف میں کھڑے ہوگئے گویا:

صد سالہ دور چرخ ہے ساغر کا ایک جام

نکلے جو میکدہ سے تو دُنیا بدل گئی

وہ سمجھتے ہیں اس "چلت پھرت" میں تفریح الگ رہی، جنت کا ریزرولیشن بھی ہو گیا۔ آج سے ہی جنت کے دروازہ پر حُوریں ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔

لیکن جہاں تک اس نعرہ کا تعلق ہے یہ نعرہ تو ہمیشہ سے مسلم قوم کے پاس رہا ہے اور اپنی پوری دلکشی کے ساتھ، کون سی اسلامی جماعت ہے جس کا بنیادی مقصد یہ نعرہ نہیں تو کیا ان صدیوں کی طول طویل مدت میں کسی جماعت کو ایسے پرجوش حمایتی نہ ملے جو ہندوستان گیر پیمانے پر اس نعرہ کی رُوح پھونک سکیں۔

ہو سکتا ہے یہاں کچھ لوگ "وہابی تحریک" کی مثال دیں کہ اسی نعرہ کے ساتھ اک بیک سارے ہندوستان میں "انفلوئنزا" کی طرح پھیل گئی تھی اور اس کی شدت کا یہ عالم تھا کہ

"ڈبلو ڈبلو" ہنٹر کو اپنی رپورٹ میں ان کی شدید ترین جارحانہ جدوجہد کا اعتراف کرنا پڑا۔
لیکن یہ حقیقت اب ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے کہ "وہابی تحریک" بھی ہندوستان میں انگریزوں کے دُودھ پر ہی پل کر جوان ہوئی۔ ان کی سیاسی حمایت، اخلاقی تائید اور مالی امداد بھی حاصل کر کے ہی یہ جماعت جہاد کا سوانگ رچا سکی اور ہندوستانی مسلمانوں کی اس متحدہ طاقت کو جسے مولانا فضل حق علیہ الرحمہ اور ان کے رفقاء، انگریزی سامراج کے خلاف استعمال کر رہے تھے جہاد کے نام پر اس کا رُخ افغانی مسلمانوں کی طرف پھیر سکی۔

پس اگر "تبلیغی جماعت" بھی کوئی ایسی ہی تحریک ہے جس کے نعرۂ توحید کا سارا فائدہ غیروں کو پہنچتا ہے اور جس کے ہر ہر سجدہ اخلاص کا دام اینٹی اسلام طاقتیں پہلے ہی ادا کر چکی ہیں تو خدارا بتایئے اس جماعت کو اسلام اور مسلمانوں سے کیا علاقہ؟

الغرض نعرے کی دلکشی بجا، اور اس کی تاثیری قوت بھی مسلم، لیکن ہم کو اس سے الگ ہو کر گہرائی میں اترنا ہوگا اور کسی دوسری مومیائی کو تلاش کرنا ہوگا۔ جس نے ایسی مردہ قوم میں یہ روحِ عمل پھونک دی۔

اسی طرح دُنیا کی تمام جماعتوں میں مخلص ترین ورکروں کی کمی نہیں۔ کئی ایک سیاسی جماعتوں تک میں بیحد محنت کرنے والے اور اپنے مقصد سے بے لاگ اخلاص رکھنے والے موجود ہیں۔ پھر بھی جو تبلیغی جماعت کے مساعی اور اس کے پھیلاؤ اور وسعت گیرائی میں ہے۔ وہ اوروں میں کہاں۔ بقول شخصے: ع

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب اس کے مخلص بانیوں کی کرامت ہے۔ "حقیقت یہ ہے جو اللہ کے کام کے لئے نکلتا ہے قدرت اس کے ہاتھوں سے محیر العقول کارنامے بھی کرا دیتی ہے۔ جس کو دیکھ کر دنیا دار حیرت زدہ رہتے ہیں۔"

اور یہی وہ بات ہے جسے بڑی شدت کے ساتھ رنگ دے کر پورے زور بیان اور تبلیغی دوروں کے درمیان رُونما ہونے والے ہزاروں محیر العقول واقعات کی شہادتوں کے ساتھ بیان بھی کیا جاتا ہے۔ تبلیغی امراء ہوں کہ مامورین رعنائی تخیل کی پوری کرشمہ سازیوں کے

ساتھ اس کا اظہار کرتے نہیں تھکتے۔

لیکن میں نہایت ادب سے گزارش کروں گا کہ یہ "کفر" تبلیغی موحدین کے منہ سے کب سے نکلنے لگا۔ آخر یہی لوگ تو ہیں جن کی زندگیاں بزرگوں کی قبریں کھودتے اور ان کی کرامتوں کا جنازہ نکالتے گزری ہے تو کیا جو بات خواجۂ اجمیری اور سرکار بغداد رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب ہو کر شرک اور گمراہی ہو جاتی تھی۔ بیمہ کمپنیوں سے کمائے ہوئے منافعوں اور بینک کے سودی کاروبار سے حاصل کی ہوئی آمدنیوں کے بل پر کی گئی تبلیغ کے دوروں میں آکر ایمان و آگہی بن گئی۔

میں نہایت دلسوزی سے مسلمانوں کے سنجیدہ طبقہ کو اس تضاد کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ تبلیغی حضرات کی پوری مینجنگ باڈی اسی نقطۂ خیال پر صمیم قلب سے ایمان لانیوالی ہے جو بزرگوں کے مزاروں پر جاکر ان سے کچھ مانگنا تو ایک طرف رہا ان کے وسیلہ سے خدا سے بھی مانگنا شرک اور گمراہی قرار دیتا ہے اور آج بھی زبان و قلم کی پوری توانائی اسی امر کی تبلیغ میں صرف ہوتی ہے کہ ان صاحبان مزار بزرگوں میں کیا دھرا ہے۔ وہ تو ہماری دعا کے منتظر ہیں ان سے کیا مانگنا، وہ کیا کر سکتے ہیں۔

جب تبلیغ کی ساری کرشمہ سازیوں کے پیچھے غیبی قوتوں کی کارفرمائیوں کا ایک سحر کار منظر پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ بستی نظام الدین کے مرکز میں سیکڑوں آدمی روز آرہے ہیں، جارہے ہیں، کھارہے ہیں، جماعتوں کو بھیجا جارہا ہے۔ آخر یہ محیر العقول اخراجات جو بادشاہوں سے بھی پورے نہ ہوسکیں کہاں سے آتے ہیں، اجی بس اللہ دیتا ہے۔ آپ کو معلوم نہیں گورنمنٹ بھی حیران ہے۔ کتنی دفعہ سی۔ آئی۔ ڈی تحقیقات کے لئے آئی اور حضرت جی نے گوڈاؤن کی کنجی پھینک دی اس نے ہر طرف تلاش کیا ایک دانہ بھی نظر نہ آیا۔ حیران حضرت جی کے سامنے آیا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا آپ پھر جاکر دیکھیں۔ اب دوبارہ پھر گیا تو جہاں ابھی چند منٹ پہلے ایک دانہ نظر نہیں آیا تھا ہزاروں بورے اندر قطار بھرے پڑے ہیں۔

یا للعجب جو بات درگاہِ نظام الدین کی طرف منسوب کر کے اگر کہہ دی جائے تو الوان توحید

میں زلزلہ آجائے۔ ابھی اس درگاہ سے چند قدم پہلے عین توحید ہوگئی اور حضرت جی کے ہاتھ پر عین ایمان بن گئی۔ کہیں ہم کو یہ تو نہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ بات میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تک خانقاہ نظام الدین ویران نہ ہوگی بستی نظام الدین آباد نہیں ہو سکتی۔

ذہن و فکر کے لئے انتہائی اہم موڑ ہے۔ خاصان خدا کی یہ بے سروسامان جماعت ہر تین یا چھ مہینہ کے بعد ہندوستان کے کسی بھی صوبہ میں ایک اتنی بڑی نماز کانفرنس کرڈالتی ہے جس کی کم از کم نفری تیس چالیس ہزار ہوتی ہے جس کے لئے نہ کوئی پروپیگنڈہ، نہ پبلسٹی۔ حد یہ ہے کہ اشتہار کی ایک چٹ بھی نہیں چھپتی اور انتظام کا یہ عالم کہ رہنے کے لئے چھولداری ایک نہیں سیکڑوں، کھانے کا معقول انتظام، دور سے آنے والوں کے لئے بس سروس، گویا ایک عارضی شہر بس جاتا ہے۔ شاید ہم کو لاعلمی کا طعنہ دیا جائے کہ کھانے کا انتظام جماعت نہیں کرتی، دکانیں لگوادی جاتی ہیں اور شریک ہونے والے دام دے کر کھاتے ہیں۔ اس جماعت کا سارا ریکارڈ خفیہ ہی رہتا ہے اس لئے تحریری ثبوت کا کہاں امکان لیکن شریک ہونے والوں کی زبان سے ہم نے خود سنا کہ اس گرانی کے زمانہ میں اجتماع کا مارکیٹ بھاؤ یہ تھا کہ چار پانچ آنہ میں ایک شخص اچھی طرح آسودہ ہوجاتا ہے۔ یہ جماعت کے ماہرین اقتصادیات کی چابکدستی ہے یا جماعت کی روایتی کرامت۔

وضو کرنے کا انتظام تو جماعت کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے اجتماع کی داستان یہ ہے کہ اس عارضی شہر میں انتظام ایسا تھا کہ تیس ہزار آدمی پندرہ منٹ میں وضو کر لیتے۔ اس غیر معمولی انتظام پر آخر کچھ سرمایہ خرچ ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ شاہانہ اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں؟ سرمایہ کون دیتا ہے؟ اور اگر مادی اور انسانی ذرائع ہیں تو ان کی یہ کامل رازداری کیوں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان کے اظہار سے مقدس دامنوں کی دھجیاں اڑ جاتی ہوں اور دینی جماعت کے اخلاص کی کینچلی اتر جاتی ہو؟ جماعت کا عام جواب یہ ہے اللہ دیتا ہے۔ خدا کی عطاء دین برحق لیکن اس کی عطاء و دین کا سارا کوٹہ صرف جماعت کے حق میں ریزرو ہو کر کیسے رہ گیا؟ حضرت جی کی کرامت ہے! لیکن

یہ کرامتیں اور بزرگوں کے لئے ماننا تو شرک تھیں ؟

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مسلم دشمن فرقہ پرست طاقتیں جو ہر تھوڑے وقفہ کے بعد ہندوستان کے کسی نہ کسی گوشہ میں ایک عام فساد برپا کر کے لوٹ مار کے ذریعہ خارجی طور پر مسلمانوں کو معاشی حیثیت سے مفلوج کر رہی ہیں۔ وہی ان سادہ لوح بزرگوں کے ذریعہ اسلام میں ایک نئی رہبانیت داخل کر کے داخلی طور پر مسلمانوں کو معاشیات سے بے پروا کر رہی ہیں کیونکہ اس تعلیم کی حقیقی روح اللہ کے لئے دنیا ترک کرنے، اپنے وقت کو دین کے لئے فارغ کرنے، بال بچّوں سے بے پروا ہو کر چلوں پر چلے چلانے کا اجتماعی پروگرام ہے جس کا نتیجہ خطرناک ہو سکتا ہے اور یہ خطرہ اور بڑھ جاتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو عام مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہوتے ہیں ان بزرگوں کے لئے اجتماع میں کمر کسے ہوئے جھاڑو دیتے ہیں، خیمے لگاتے ہیں اور کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کے مختلف سوالات ہیں جن کا جواب اس جماعت کے لٹریچر میں ایک پُراسرار اور مقدس خاموشی کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت مولانا ارشد القادری صاحب جن کا دلربا اور گلکار قلم ایسے تو بر تو پردوں کے پیچھے بھی دیکھ لیتا ہے اور بڑی ژرف نگاہی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور جس کی لطیف نشتریت ہر جویائے حق کے لئے تریاق سے کم نہیں۔ جماعت اسلامی کے تعارف کے بعد ایک بار پھر اللہ والی جماعت کے "پُرنور" چہروں سے عامۂ مسلمین کو روشناس کرا رہا ہے۔ تلاش کرنے کے بعد اس پاکیزہ گروہ کے بارے میں اٹھنے والے کئی سوالوں کا جواب انشاء اللہ مولانا کی اس تحریر میں مل جائے گا۔

مولانا موصوف الخطاط کے اس دور میں نئی پود کے اندر حق پرست اور شوریدہ سروں کے قافلہ سالار ہیں بلکہ خود قافلہ بھی۔ اب تو ابتداء اور انتہا سب انہی پر ختم ہے اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے :

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

(میسور) ۷، ارجمادی الاخریٰ ۸۹ھ

عبد المنان اعظمی دار العلوم اشرفیہ
حال وارد احاطہ نورانی شیموگہ سٹی

تبلیغی جماعت کے حقیقی خدوخال

- تبلیغ کے نام پر ایک مقدس فریب
- ایک ایمان دشمن تحریک
- مذہبی تاجروں کا ایک پُرفریب کاروبار
- کعبے کے غلاف میں لپٹا ہُوا ایک پُراسرار صنم کدہ
- معصوم عقیدتوں کی دلچسپ قربان گاہ
- کلمہ کے نام پر اسلامی روایات کی نفی
- تبلیغی اجتماعات میں اسلامی مبلّغین کی توہین

—— تفصیلات کے لیے کتاب کھولیے! ——

اشارات

نقطۂ آغاز حدیث صحیح کی زبانی

۱۔ فتنۂ نجد

عن ابن عمر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللّٰھم بارک لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ فی نجدنا قال اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللّٰھم بارک لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا فاظنہ قال فی الثالثۃ ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطٰن۔

(بخاری شریف)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ خداوندا! ہمارے لئے ملک شام اور یمن میں برکت نازل فرما۔ وہیں نجد کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور ہمارے نجد میں بھی! اس پر حضور نے دوبارہ ارشاد فرمایا: خداوندا ہمارے لیے ملک شام اور یمن میں برکت نازل فرما۔ پھر دوبارہ نجد کے لوگوں نے درخواست کی کہ ہمارے نجد میں بھی یا رسول اللہ! راوی کا بیان ہے کہ غالباً تیسری بار حضور نے فرمایا کہ وہ زلزلوں اور فتنوں کی جگہ ہے اور وہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔

۲۔ ظہور ——— تبلیغی جماعت کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد صاحب کی زبانی

محمد ابن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنّت والجماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔

ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ (الشہاب الثاقب ص ۴۲)

۳۔ نجدی گروہ ——— حدیث صحیح کی زبانی

عن شریك ابن شهاب (مرفوعًا الیٰ ان قال) ثم قال یخرج فی اٰخر الزمان قوم كانّ هٰذا منهم یقرؤن القراٰن لایجاوز تراقیهم یمرقون من الاسلام كما یمرق السهم من الرمیه سیماهم التحلیق لایزالون یخرجون حتّٰی یخوج اٰخرهم مع المسیح الدجال۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰۹)

ترجمہ: حضرت شریک ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک جماعت نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ لوگ دائرۂ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکل جاتا ہے۔ ان کی خاص علامت سر منڈوانا ہوگی۔ وہ اسی طرح گروہ در گروہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ اُن کا آخری دستہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔

۴۔ علامت کی توثیق ——— عرب کے مشہور مورخ حضرت علامہ زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی

سیماهم التحلیق تصریح بهٰذه الطائفة النجدیه لانهم كانوا یامرون كل من اتبعهم ان یحلق راسه ولم یكن هذا الوصف لاحد من طوائف الخوارج والمبتدعة الزین كانوا قبل زمن هؤلاء۔

(الفتوحات الاسلامیہ ج ۲ ص ۲۶۸)

ترجمہ: آخری زمانے میں نکلنے والی جماعت کی پہچان کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان کہ اُن کی خاص علامت سر مُنڈانا ہوگی، نجدی گروہ کے بارے میں بالکل صراحت ہے کیونکہ سر منڈانا انہی لوگوں کا جماعتی شعار ہے۔ اس سے قبل خوارج اور بے دین فرقوں میں سے کسی فرقے کے

اندر یہ علامت موجود نہیں تھی۔

۵۔ **گروہ کا نام** — تبلیغی جماعت کے پیشوائے اعظم مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی زبانی محمد ابن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو "وہابی" کہا جاتا ہے۔ ان کے عقائد عمدہ تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

۶۔ تعلق

۱۔ تبلیغی جماعت کے سربراہ مولوی منظور نعمانی کی زبانی

"اور ہم خود اپنے بارہ میں صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم بڑے سخت "وُہابی" ہیں۔" (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۹۰)

۲۔ تبلیغی جماعت کے سرپرست مولوی محمد زکریا کاندھلوی کی زبانی

"مولوی صاحب! میں خود تم سب سے بڑا "وہابی" ہوں"

(سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۹۲)

۳۔ تبلیغی جماعت کے مرکز ہدایت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

"بھائی! یہاں "وہابی" رہتے ہیں۔ یہاں فاتحہ نیاز کے لیے کچھ مت لایا کرو۔"

اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵

۷۔ حمایت

والئ نجد شاہ سعود ابن عبد العزیز جب ہندوستان کے دورے پر آئے تھے تو ۲۹ نومبر ۱۹۵۵ء کو تبلیغی جماعت کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد صاحب نے جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے انھیں ایک سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ جس کا یہ پیراگراف خصوصی توجہ کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہے۔

"یا صاحب الجلالۃ! خاص حجاز مقدس کے سلسلے میں جب جلالۃ الملک المرحوم سلطان عبد العزیز ابن سعودی رحمہم اللہ نے فاتحانہ اقدام کیا (یعنی نجدی فوج کی یلغار کے ذریعہ عہد رسالت کے آثار شریفہ اور حضور کی مقدس یادگاروں کو مٹایا، صحابہ اور اہل بیت کے مزارات ڈھائے، مکے اور مدینے کی تاریخی

ایک آپ بیتی

زندگی کے تین واقعات

تبلیغی جماعت کی بابت میری زندگی میں تین ایسے واقعات پیش آئے ہیں جنھیں میں اس کتاب کا سببِ تالیف کہہ سکتا ہوں۔

اپنی معلومات کے اس اہم ترین حصے کو آج صفحۂ قرطاس پر نقل کرتے ہوئے میں ایک اخلاقی فرض سے سبکدوش ہونے کی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ (مصنف)

پہلا واقعہ آج سے تقریباً پچیس سال پہلے کی بات ہے۔ میرے عہد طالب علمی کی ایک خوشگوار شام تھی۔ دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کے صدر دروازے پر ہم چند طلبہ کھڑے تھے کہ ایک سفید ریش بزرگ آتے ہوئے دکھائی پڑے۔ چہرے پر مصنوعی تقدس، ہاتھ میں یاقوت کی تسبیح، ٹخنوں تک کرتہ، درمیان میں سفید کھدر کی صدری، غرض نیچے سے اوپر تک تسخیرِ قلوب کے جملہ آلات سے مسلح تھے۔ موصوف کے آگے پیچھے چند افراد سر جھکائے ہاتھ باندھے زیرِ لب کچھ پڑھتے ہوئے چل رہے تھے۔

ہم نوعمر لوگوں کے لیے یہ بالکل ایک نئی چیز تھی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ تبلیغی جماعت کے لوگ ہیں جو دہلی سے مبارکپور کے مسلمانوں کو کلمہ پڑھانے آئے ہیں اور آگے آگے جو سفید ریش بزرگ ہیں یہ امیرِ جماعت ہیں — یہ معلوم کرکے ہم لوگوں کو بڑا اچنبھا ہوا۔ ہمارے علم میں مبارکپور کے مسلمان اپنے جنم دن سے مسلمان ہی تھے۔ مسجدوں کے علاوہ انھیں کبھی بھی بُت خانے کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اسلام سے منحرف ہوجانے کی کوئی بات کبھی بھی ان کے متعلق نہیں سُنی گئی۔ ان حالات میں انھیں کلمہ پڑھانے کی بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اسی حیرت و استعجاب کا نتیجہ کہئے کہ ہم میں سے کسی طالب علم نے ان بتانے والے صاحب سے یہ سوال کر ہی ڈالا:

"کیا ان حضرات کے نزدیک یہاں کے مسلمان، مسلمان نہیں ہیں جو دہلی سے چل کر یہ لوگ انھیں کلمہ پڑھانے آئے ہیں؟"

وہ صاحب اپنی بات چیت سے اسی گروہ کے آدمی معلوم پڑتے تھے انھوں نے بڑے تپاک سے کہا:

"کلمہ پڑھانے کا یہ مطلب آپ لوگوں نے غلط سمجھا ہے۔ کلمہ ہمیشہ مسلمان بنانے ہی کے لیے نہیں پڑھایا جاتا کبھی کبھی ذکرِ خداوندی کے لیے بھی پڑھایا جاتا ہے۔ کلمہ پڑھا کر یہ لوگ خدا کے ذکر کا چرچا کر رہے ہیں مسلمان بنانا مقصود نہیں ہے۔"

اُن کے اس جواب سے ہم لوگوں کا ذہنی خلجان بہت حد تک دُور ہو چلا تھا لیکن ہمارے ایک ساتھی نے یہ کہہ کر پھر ہمیں اسی مقام پر لا کھڑا کیا کہ جب تک میں خود تجربہ نہیں کر لوں گا اس جواب سے میری تشفی نہیں ہو گی۔

لاکھ ہم نے معلوم کرنا چاہا کہ وہ کیسے تجربہ کرے گا لیکن سو جواب کا ایک جواب اس کے پاس تھا "تم لوگ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھو۔"

دوسرے دن ٹھیک چار بجے شام کو پھر دہلی کا وہ تبلیغی دستہ قصبے کا گشت کرتا کلمہ پڑھتا ہوا مدرسہ کے سامنے سے گزرا۔ ہم سب انتظار ہی میں کھڑے تھے کہ دو قدم آگے بڑھ کر ہمارے ساتھی نے اس تبلیغی دستے کے امیر کو آواز دی۔

"مولانا! ذرا ایک لمحے کے لیے تکلیف فرمائیے گا؟"

اس آواز پر امیرِ جماعت نے پلٹ کر دیکھا اور کھڑے ہو گئے۔ پھر ساتھی نے لجاجت کے ساتھ کہا:

"مولانا! بُرا نہ مانیے گا دین کے کام سے میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔"

یہ سُن کر وہ پیشانی پر بل ڈالے ہوئے بوجھل قدموں کے ساتھ قریب آئے اور ناگوار لہجے میں فرمایا:

"کہئے دین کا کون سا کام ہے میرے لائق؟"

ساتھی نے برجستہ کہا: "ذرا کلمہ پڑھئے گا؟"

اتنا سُننا تھا کہ جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ غصہ سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ گردن کی رگیں تن گئیں، دم پھولنے لگا، آنکھوں سے چنگاری برسنے لگی۔ دہکتی ہوئی آواز میں ارشاد فرمایا:

"شرم نہیں آتی تمھیں! طالب علم ہو کر اپنے بڑوں سے مذاق کرتے ہو۔ خدا نے چاہا تو اس گستاخی کا مزا اسی دُنیا میں تم چکھ لو گے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ پلٹنا ہی چاہتے تھے کہ ساتھی نے راستہ روک کر کہا:

"آپ تو بلاوجہ خفا ہو گئے۔ بھلا اس میں مذاق کی کون سی بات ہے۔ یہ کام تو کل سے آپ انجام دے رہے ہیں۔ ذکر الٰہی کا ثواب حاصل کرنے کا حق ہمیں نہیں ہے اور اگر آپ کے کہنے کے مطابق یہ مذاق ہے تو کل سے آپ یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ جو مذاق کر رہے ہیں اس گستاخی کی سزا آپ نے اپنے لیے کیا تجویز فرمائی ہے؟"

ساتھی کی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی جیسے کسی چور کو رنگے ہاتھوں کسی نے پکڑ لیا ہو۔ چند ہی لمحوں میں تماشائیوں کی اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو گئی۔ عام عادت کے مطابق کچھ لوگوں نے اچنبھے کے ساتھ دریافت کیا: "کیوں کیا بات ہو گئی؟"

ساتھی نے جواب دیا: "بات کچھ بھی نہیں ہوئی۔ قصہ صرف یہ ہے کہ کل سے یہ لوگ مبارکپور کے مسلمانوں سے کلمہ پڑھواتے پھر رہے ہیں۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ لوگ یہاں کے مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے جو گلی گلی انھیں کلمہ پڑھواتے پھرتے ہیں تو انھوں نے جواب دیا کہ کلمہ ایک ذکر الٰہی ہے اور خدا کا ذکر کرنا کرانا ہر مسلمان کا ایک دینی حق ہے۔

لیکن حیرت سے سر پیٹ لینے کی جا یہ ہے کہ یہی دینی حق جب میں نے استعمال کرنا چاہا اور ان بڑے میاں سے کہا کہ ذرا کلمہ پڑھیے۔ بس اتنی سی بات پر یہ آپے سے باہر ہو گئے اور اُلٹے مجھے عیب لگاتے ہیں کہ میں نے ان سے مذاق کیا ہے۔ اب میں ان سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کلمہ پڑھانا اگر مذاق ہے تو کل سے یہاں کے مسلمانوں کے ساتھ یہ کیوں مذاق کر رہے ہیں؟"

ساتھی کی یہ باتیں سُن کر سارا مجمع ہمنوا ہو گیا اور یک زبان بول اٹھا کہ بات تو یہ چھوٹے

مولوی صاحب ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔

اس بات پر امیر جماعت صاحب ابل پڑے اور اکھڑ کر فرمایا:

"ٹھیک نہیں کہہ رہے ہیں۔ دراصل انھوں نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ورنہ بگڑنے کی کوئی بات نہیں تھی۔ جہاں تک کلمہ پڑھنے اور پڑھانے کا سوال ہے یہ کام تو میں خود بھی کر رہا ہوں۔ بھلا اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟"

امیر جماعت کے اس جواب پر ایک صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"مولانا! جب وہی کام آپ بھی کر رہے ہیں اور وہی کام انھوں نے بھی کیا ہے تو آپ اُسے مذاق کیوں کہہ رہے ہیں؟"

اس پر امیر جماعت نے تیور بدل کر فرمایا: "مذاق میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ان کی نیت ذکرِ الٰہی کی نہیں تھی مذاق ہی کی تھی۔"

امیر جماعت کا یہ جملہ ابھی ختم بھی نہ ہو پایا تھا کہ ایک معمّر شخص آگے بڑھے اور انھوں نے للکارتے ہوئے کہا:

"مولانا! جب بات نیّت کی آگئی ہے تو مجھے بھی کہنے دیجیے کہ کلمہ پڑھانے آپ کی نیت بھی ذکرِ خیر کی نہیں ہے بلکہ از سرِ نو مسلمان بنانے کی ہے۔ جو لوگ آپ کے مذہب سے واقف نہیں ہیں بھلے ہی وُہ آپ کے جواب سے مطمئن ہو جائیں لیکن جو لوگ آپ کے مذہبی شجرہ سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کے یہاں کافر و مشرک صرف وہی نہیں ہے جو بُت خانے میں جا کر اصنام کی پرستی کرے یا کھلم کھلا اسلام، قرآن اور توحید و رسالت کے عقیدے سے منحرف ہو جائے بلکہ آپ حضرات کے یہاں وُہ مسلمان بھی بالکل ابوجہل اور ابولہب ہی کی طرح کافر و مشرک ہیں جو اسلام و قرآن اور توحید و رسالت پر عقیدہ رکھنے کے باوجود صرف یا رسول اللہ کہہ لیتے ہیں، خدا کی عطا سے رسول کو اپنا شفیع و کارساز سمجھتے ہیں۔ رسول حق میں علمِ غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اُن کے لیے دونوں جہان میں تصرّف کی قدرت تسلیم کرتے ہیں۔

اور خدا کا شکر ہے کہ صرف مبارکپور ہی میں نہیں سارے ملک میں اس طرح کے "مشرکین"

کی تعداد ننانوے فیصدی ہے۔ اب انھیں مسلمان بنانے کے لیے سوا اس کے اور کیا چارۂ کار ہے کہ آپ حضرات چور دروازہ سے آئیں اور کلمہ پڑھا کر اپنے مذہبی جذبے کو تسکین دے لیں کہ کفر کا ایک "خیبر فتح ہو گیا"۔ سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں انھوں نے کہا:

"مولانا! یہ بچے آپ سے کیا مذاق کریں گے کہ ابھی تو وہ اس حقیقت سے بھی بے خبر ہیں کہ آپ اُن کے مذہبی حریفوں میں ہیں یا دوستوں میں، البتہ کلمہ پڑھا کر آپ ہمارے ایمان کا ضرور مذاق اڑاتے ہیں"۔

"قلم کے نشتر سے آپ حضرات نے ہمارے جذبۂ عقیدت کو جس بیدردی کے ساتھ گھائل کیا ہے روحانی اذیت کے لیے وہی کیا کم تھا کہ اب جگہ جگہ زخموں پر آپ نمک چھڑکتے پھر رہے ہیں۔ کلمہ پڑھنے سے کس بدبخت مسلمان کو انکار ہو سکتا ہے لیکن ہمارے دینی احساسات پر کفر و شرک کا الزام عائد کرنے کے بعد جب آپ کلمہ پڑھنے کو کہتے ہیں تو بالکل ایسا لگتا ہے جیسے کسی بے گناہ پر بہتان لگانے کے بعد کوئی "تلقین کرے کہ "توبہ کرو" حالانکہ توبہ کوئی بری چیز نہیں ہے لیکن اس طرح کے حالات میں توبہ کی تلقین کرنا دوسرے لفظوں میں ناکردہ گناہ کا اقرار کرانا ہے"۔

اس کے بعد آواز کا تیور بدلتے ہوئے انھوں نے کہا:

"مولانا! یہ تو آپ حضرات کی سنگدلی کا صرف ایک رُخ ہے۔ آپ حضرات کی مذہبی شقاوت کا دوسرا رُخ تو اس سے بھی کہیں زیادہ لرزہ خیز اور بھیانک ہے"۔

آپ کے بزرگوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شانِ محترم میں توہین و گستاخی کے کلمات لکھ کر جس دردناک اضطراب میں اُمت کو مبتلا کر دیا ہے وہ اس صدی کا سب سے قیامت آشوب حادثہ ہے۔ لکھنے والے مدت ہوئی خاک میں مل گئے لیکن ان کی لگائی آگ کا دُھواں آج بھی مسلم آبادیوں سے اُٹھ رہا ہے۔

پھر اس سے زیادہ اچنبھے کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک طرف آپ حضرات نبی کی توہین و تنقیص بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف اسی نبی کا کلمہ بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ کلمہ پڑھنے پڑھانے کا حق صرف اسے ہے جو نبی کو نبی مانتا ہے۔ دشنام طرازوں کو کلمے سے کیا واسطہ! دشنام طرازی کے ساتھ کلمہ خوانی اسلام کا مذاق ہی کہا جا سکتا ہے۔"

وہ کہتے جا رہے تھے اور مولانا کا خون سوکھتا جا رہا تھا۔ بڑی مشکل سے انھوں نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ میں اپنی جماعت کا کوئی ذمہ دار عالم نہیں ہوں۔ جب وہ جانے لگے تو مجمع سے کچھ لوگوں نے کہا کہ جواب نہ دیجئے لیکن کم از کم اتنا تو بتاتے جایئے کہ ان صاحب نے آپ لوگوں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ کہاں تک صحیح ہے؟ اس سوال پر ان کے ساتھی مشتعل ہو گئے اور اپنے مولانا کو جھرمٹ میں لیے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

ہر شخص کے ذہن پر اس تھوڑی دیر کی رد و قدح کا یہ اثر ضرور پڑا کہ تبلیغی جماعت اوپر سے جیسی صاف ستھری نظر آتی ہے اندر سے ویسی نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔

دوسرا واقعہ

غالباً ۱۹۵۶ء کا سال رہا ہوگا۔ اس وقت مدرسۂ فیض العلوم جمشید پور کی درس گاہ کھلے آسمان کے نیچے تھی۔ ٹاٹا اسٹیل کمپنی سے عمارت کے لیے زمین حاصل کرنے کی جد و جہد کے سلسلے میں ڈاکٹر سید محمود صاحب سے رابطہ قائم کرنا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ موصوف نائب صدر وزیر خارجہ کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے میرے ایک مراسلہ کے جواب میں جملہ کاغذات کے ساتھ دہلی طلب کیا۔ میں احتیاطاً ان کے دیئے ہوئے وقت سے ایک دن قبل ہی دہلی پہنچ گیا۔

دل نیاز پیشہ نے اصرار کیا کہ پہلی شب کیوں نہ سرکار محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے حضور میں بسر کی جائے۔ چنانچہ اپنی قیام گاہ پر سامان وغیرہ رکھ کر سیدھے بستی نظام الدین کے لیے چل پڑا۔ چار بجے شام کا وقت تھا۔ بس سے اتر کر جیسے ہی میں بستی نظام الدین میں داخل ہوا مجھے کچھ فاصلے پر دو آدمی نظر آئے وہ میری طرف ٹکٹکی باندھے ہوئے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مجھے پہچانتے ہوں اور میرا انتظار کر رہے ہوں۔

جب میں ان کے قریب پہنچا تو ان کی داڑھی اور پیشانی کا گھٹا دیکھ کر میں ہکا بکا رہ گیا۔

میں نے اپنی ساری عمر میں اتنی لمبی داڑھی اور پیشانی کی سطح پر ایسا اُبھرا ہوا داغ کبھی نہیں دیکھا تھا ——— وُہ بہت تپاک سے میری طرف بڑھے اور میرا راستہ روک کر انتہائی لجاجت کے ساتھ کہنے لگے ؛

"حضت! یہی ہے تبلیغی جماعت کا وہ مرکز جہاں سے ساری دُنیا میں اسلام پھیل رہا ہے زحمت نہ ہو تو ذرا دیر کے لیے اندر تشریف لے چلئے۔ اپنی آنکھوں سے چل کر دیکھئے کہ کس طرح دین زندہ ہو رہا ہے۔ مدّت ہُوئی دین کے ایک مخلص خادم نے یہاں اپنی روحانیت کا پودا لگایا تھا اب وُہ جوان ہو گیا ہے اور اس کی برکات سے ایک عالم فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ بس ایک نظارہ کر لیجئے کہ مرجھائے ہوئے اسلام کو دین کے خادموں نے کیسا ترو تازہ کر دیا ہے —"

میں خود بھی بہت دنوں سے چاہتا تھا کہ موقعہ ملے تو کسی دن تبلیغی جماعت کے کاروبار کو قریب سے چل کر دیکھا جائے۔ مُنہ مانگی مراد سمجھ کر میں ان کے ہمراہ چل پڑا۔ صدر گیٹ سے داخل ہوتے ہوئے ایک بارہ دری میں ادھیڑ عمر کے کچھ لوگ پارۂ عمّ پڑھ رہے تھے ——— ان کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے ان لوگوں نے بتایا :

"یہ علاقۂ میوات کے نومسلم لوگ ہیں۔ ان کے باپ دادا مسلم تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے لیکن کفریہ اور شرکیہ رسموں میں یہ لوگ اس طرح ڈوبے ہُوئے کہ اسلام سے دُور کا بھی لگاؤ نہیں رہ گیا تھا۔ تبلیغی جماعت کے پاک باطن رہنماؤں نے حکمتِ عملی اور لگاتار جدوجہد کے ذریعہ ان کا پرانا مذہب تبدیل کرا کے انھیں حقیقی اسلام سے روشناس کیا۔ اب یہ لوگ شب و روز مرکز میں رہ کر دین سیکھتے ہیں۔ جب یہ پکّے ہو جائیں گے تو اپنا علاقہ خود سنبھال لیں گے۔"

بعد میں ہمیں معلوم ہُوا کہ یہ لوگ سالہا سال سے پارۂ عمّ پڑھ رہے ہیں اور تبلیغی جماعت والوں نے اپنی دُکان میں انھیں نمونے کے مال کی طرح سجا کے رکھا ہے ——— باہر سے آنے والوں کو سب سے پہلے یہی مال دکھلایا جاتا ہے تاکہ دماغ پر پہلا اپریشن اتنا زوردار ہو کہ ذہن مرعوب ہو کے رہ جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ مجھے اپنے ساتھ لیے آگے بڑھے اور ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رُک گئے ——— اور کمرے کے لوگوں کا

تعارف کراتے ہوئے کہا:

"یہ تبلیغی جماعت کے نہایت روشن دماغ اور تجربہ کار علماء ہیں۔ دماغی تطہیر کے فن میں یہ لوگ عظیم مہارت رکھتے ہیں۔ خیالات کا دھارا موڑ کر دین کی طرف لگادینا ان کا شب و روز کا مشغلہ ہے۔ آپ ان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھئے ان کی صحبت ذہن و فکر کی تسکین کے لئے اکسیر ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دونوں باہر نکل گئے اور غالباً پھر اپنی شکارگاہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔

اُن کے چلے جانے کے بعد ان تبلیغی مولویوں نے مجھے نہایت اعزاز و تکریم کے ساتھ اپنے ساتھ بٹھلایا۔ انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ مجھے راستے اچک لیا گیا ہے۔ اپنے تئیں وُہ بھی سمجھ رہے تھے کہ میں اپنے وطن سے بالمقصد یہیں کے لیے چلا ہوں۔

جب انھوں نے نہایت اصرار کے ساتھ مجھ سے دریافت کرنا شروع کیا کہ میں یہاں کس مقصد کے لیے آیا ہوں تو معاً مجھے خیال آیا کہ تبلیغی جماعت کے اندرونی حالات سے واقف ہونے کے لیے جو ایک زرّیں موقع ہاتھ آگیا ہے اُسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

میں نے ان سے کہا کہ "میں جمشید پور سے آرہا ہوں، وہاں کی تبلیغی جماعت کے متعلق ایک نہایت ضروری بات حضرت جی سے کہنی ہے۔" اس وقت "حضرت جی" کے منصب پر مولوی محمدؐ یوسف صاحب فائز تھے۔

انھوں نے ہزار معلوم کرنا چاہا کہ وہ کون سی بات ہے لیکن میں نے ہر بار یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "حضرت جی" ہی سے کہوں گا۔

جب وہ لوگ میری طرف سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے بتایا کہ حضرت جی تبلیغ کے لیے شہر کو گئے ہیں۔ وہ اپنی تبلیغی مہم سے کافی رات گئے لوٹیں گے۔ اب نماز فجر کے بعد ہی ان سے ملاقات ہو سکے گی۔"

یہ سُن کر میں خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد موقع پا کر چپکے سے درگاہ شریف کی طرف نکل گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ وُہ پوری رات محبوب الٰہی کی چوکھٹ پر بسر ہوئی۔ صبح کی نماز سے

فارغ ہو کر جب میں پارلیمنٹ جانے کے لیے درگاہ شریف سے واپس لوٹا تو پھر مجھے راستہ میں وہ دونوں "شکاری" مل گئے۔ دُور ہی سے انھوں نے مجھے آواز دی۔ جب میں اُن کے قریب پہنچا تو انھوں نے خوشخبری سنانے والے کے انداز میں خبر دی:

"مولوی صاحب! تم کہاں چلے گئے تھے؟ حضرت جی صبح سے تمھیں تلاش کر رہے ہیں، چلو جلدی چلو۔"

جیسے ہی میں اُن کے ہمراہ اندر داخل ہُوا پہلے دن والے مولوی صاحبان مجھے مل گئے۔ انھوں نے دیکھتے ہی کہا:

"مولوی صاحب! تم کل شام کو چپکے سے اُٹھ کر کہاں چلے گئے ہم لوگ تمھاری تلاش میں بہت پریشان ہوئے۔

میں نے جواب دیا: "درگاہ شریف چلا گیا تھا وہیں رات گزاری" یہ سنتے ہی اپنے چہرے سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہُوئے ان میں سے ایک مولوی صاحب نے کہا:

"تم رات بھر اُس بدعت خانے میں کیا کرتے رہے۔ کیا تم جماعت میں ابھی نئے نئے شامل ہوئے ہو؟ کہیں آنے جانے کے لیے کم از کم ہم لوگوں سے تو پُوچھ لینا چاہیے تھا۔ یہ دہلی ہے یہاں تو ایک سے ایک تماشا ہے۔ لیکن دین کی راہ میں نکلنے والے تماشے کے لیے تھوڑے ہی آتے ہیں۔ یہاں آنے کے بعد بھی اگر جائز و ناجائز کا فرق نہیں ملحوظ رکھا گیا تو یہاں آنا کس کام کا؟"

میں نے بات ٹالتے ہُوئے کہا: "یونہی ذرا دیکھنے چلا گیا کہ وہاں کیا ہوتا ہے اور باقی سب خیریت ہے۔"

اس پر ایک صاحب نے منہ بگاڑتے ہُوئے ارشاد فرمایا "خیر اتنے میں کوئی مضائقہ نہیں!" اس کے بعد وُہ لوگ مجھے "حضرت جی" کے دیوان خانے میں لے کر چلے گئے۔

حضرت جی اس وقت اپنی فوج کے کمانڈروں کو کیک تقسیم کر رہے تھے۔ انھوں نے مجھے دیکھتے ہی دریافت کیا: "یہ کون صاحب ہیں، کہاں سے آئے ہیں؟"

ایک مولوی صاحب نے سر جھکا کر جواب دیا: "حضرت! یہی مولوی صاحب جمشید پور سے آئے ہوئے ہیں۔ وہاں کی تبلیغی جماعت کے متعلق کوئی ضروری بات حضور والا سے کہنا چاہتے ہیں۔"

اتنا سُن کر حضرت جی نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت فرمایا: کہو، کیا کہنا ہے؟"

میں نے گلا صاف کر کے جمشید پور کی تبلیغی جماعت کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہاں شروع شروع تبلیغی جماعت کا بہت اچھا اثر قائم ہو گیا تھا۔ عام لوگ اس کی تبلیغی سرگرمیوں سے بے حد متاثر تھے اور اس کی طرف سے حسنِ ظن رکھتے تھے۔ لیکن جب سے کچھ تبلیغی کارکنوں نے میلاد و قیام اور علم غیب جیسے اختلافی مسائل میں اپنے عقیدہ کا اظہار کر دیا اس وقت سے بہت سے لوگ تبلیغی جماعت سے علٰحدہ ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بہت سی مسجدوں میں تبلیغ کا کام بند ہو گیا ہے۔"

ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ حضرت جی کے چہرے کا رنگ سُرخ ہو گیا وہ فرطِ غضب میں اپنے زانو پر ہاتھ مارتے ہُوئے چیخ پڑے۔ اور اپنے تئیں تبلیغی جماعت کا ایک ناتجربہ کار کارکن سمجھ کر مجھے ڈانٹنا شروع کیا۔

"جب لوگ تبلیغ کا ڈھنگ نہیں جانتے تو کس نے کہہ دیا کہ وُہ تبلیغ کریں۔ یہاں مجھے تبلیغ کرتے ہوئے بیس سال ہو گئے ہیں نے کسی سے بھی نہ کہا کہ میلاد و فاتحہ چھوڑ دو۔ حالانکہ جاننے کی حد تک سب جانتے ہیں کہ میرا بھی عقیدہٗ مسلک وہی ہے جو اکابر دیو بند کا ہے۔ لیکن میں نے اچھی طرح تجربہ کر لیا ہے کہ ان چیزوں سے براہِ راست روکنے کی بجائے اب لوگوں کا ذہن بدلنے کی ضرورت ہے۔ تبلیغی گشت اور مرکز میں چلہ گزارنے کا راز یہی ہے کہ لوگوں کو اپنے علماء کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ اُٹھنے بیٹھنے کا موقعہ فراہم کیا جائے۔ یہاں کے ماحول میں ذہن ڈھل جانے کے بعد لوگ خود بخود ان چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں بلکہ اپنے عقیدے میں اتنے سخت ہو جاتے ہیں کہ دوسروں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

میری طرف رُخ کرکے حضرت جی نے حکیمانہ انداز میں فرمایا: "مولوی صاحب! آپ اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم لوگ ابھی اس ملک کے اندر اقلیت میں ہیں جبکہ بدعتیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان حالات میں اپنا مذہب پھیلانے کے لیے ہمیں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ مکر سے کام لیں۔ آخر مکر بھی تو کوئی چیز ہے کفر و شرک سے پھیرنے کے لیے مکر سے کام لینا قطعاً کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ حق پرستی کے جوش میں آکر اگر ہم تقویۃ الایمان اور بہشتی زیور وغیرہ کے عقاید برملا بیان کر دیں تو لوگ ہمیں مسجدوں میں نہ گھسنے دیں۔

اس لیے میں تمام تبلیغی کارکنوں کو سخت تاکید کرتا ہوں کہ وُہ بدعتیوں کے ساتھ مکر سے کام لیں یعنی مصلحت کا تقاضا ہو تو میلاد و قیام بھی کر لیں بلکہ اگر ضرورت پیش آجائے تو اپنے علماء کو بُرا بھلا بھی کہہ دیں۔ جیسے بھی ہو اُن کے ساتھ لگے رہیں، انھیں اپنے ہمراہ لے کر جماعتوں میں پھرائیں۔ کبھی کبھی ان میں سے لوگ ٹوٹ کر ادھر آہی جائیں گے۔

مولوی صاحب۔ دیکھو! یہاں مجھے بیس سال ہو گئے تبلیغ کا کام سنبھالے ہوئے اختلافی مسائل تو بڑی چیز ہے اس کی ہوا بھی میں نے کسی کو نہیں لگنے دی۔ بس اتنا کیا کہ تبلیغی گشتوں، لگاتار چلوں اور اجتماعات کے ذریعہ اپنے بزرگوں کی عقیدت ان کے دلوں میں بٹھا دی۔ کسی کو دیوبند لے جا کر حضرت شیخ الاسلام سے مرید کرا دیا کسی کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی طرف رجوع کیا جس کو جیسا پایا اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ پایا۔

یہ جو تم ہزاروں آدمیوں کو دیکھ رہے ہو جو تبلیغ میں دن رات لگے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر لوگ کٹر بدعتی اور قبر پرست تھے لیکن اپنے علماء کی عقیدت کے زیرِ اثر خود ہی اُن کا ذہن بدل گیا یہاں تک کہ جن شرکیہ رسموں کو کہنے پر بھی وہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اب بغیر کہے سُنے چھوڑ دیا۔ تبلیغی جماعت نے اسی راز کو پا لیا ہے کہ جس کی عقیدت دل میں پیدا ہو جاتی ہے آدمی اس کا مذہب بھی قبول کر لیتا ہے۔"

حضرت جی اپنا سلسلۂ گفتگو ختم کرکے جب خاموش ہو گئے تو میں نے درخواست کی کہ آپ اپنی یہ ہدایات قلم بند کر دیں تو آپ کو لوگوں تک پیغام پہنچانے میں بڑی مدد ملے گی۔

اس درخواست پر حضرت جی نے تیور بدل کر کہا:

"پھر تم نے غلط سوال کیا۔ ہمارے یہاں سارا کام زبان سے چلتا ہے۔ قلم استعمال نہیں کیا جا سکتا بجز اس کے کہ کارکنوں اور طالبین کے خطوط کے جوابات دے دیئے جاتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کا کاروبار کتنا پھیل گیا ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن لکھت پڑھت کے لیے ایک رجسٹر بھی تم ہمارے یہاں نہیں پاؤ گے"۔

حضرت جی یہ کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہو گئے اور میں باہر نکل آیا۔

ایک دردناک خلش

اس وقت میرا دل مسوس کے رہ گیا کہ کاش میرے پاس ٹیپ ریکارڈ ہوتا اور میں حضرت جی کی آواز کو اس میں قید کر لیتا تو آج مجھے تبلیغی جماعت کی اصل حقیقت سے روشناس کرانے کے لیے ایک کتاب لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ صرف "دو انچ کا فیتہ سارے زمانے کو اس صدی کے سب سے بڑے مرکز" دجل و فریب" سے واقف کرا دیتا۔

آج حضرت جی کے مذکورہ بالا "ارشادات" پر سوائے خداوند ذوالجلال کے اور کوئی گواہ میرے پاس نہیں ہے۔ فرشتوں کا ایک نوشتہ ضرور ہے لیکن افسوس کہ وہ اس میدان میں کھلے گا جہاں تبلیغی جماعت کا انجام معلوم کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی۔

جو لوگ میری اس "خود نوشت آپ بیتی" پر اعتماد کر سکیں اُن سے عرض کروں گا کہ تبلیغی جماعت کی صحیح تعبیر کے لیے اب وہ خود ہی لغت میں کوئی مناسب لفظ تلاش کر لیں۔ کافی غور و خوض کے بعد بھی مجھے اب تک کوئی ایسا لفظ نہیں مل سکا جو "رہبری" اور "رہزنی" دونوں مفہوم کو ایک ساتھ ادا کر سکتا ہو۔

اب باقی رہ گئے وہ لوگ جو میری خود نوشت پڑھ کر بے ساختہ بول اٹھیں گے کہ یہ صد فیصدی غلط، بے بنیاد اور راز سے نا پا افترا ہے۔ ان سے میں التماس کروں گا کہ کسی بھی خبر پر اعتماد کرنے کے لیے شہادت کے علاوہ اب تک جتنے ذرائع دریافت ہو سکے ہیں اپنے اطمینان قلب کے لیے وہ سارے ذرائع استعمال میں لائیں۔ میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ کسی بھی آزمائش کا سامنا کرنے کے لیے میں اپنے آپ کو ہمیشہ تیار رکھوں گا۔

مرکز نظام الدین سے واپسی کے بعد حضرت جی کی ہدایات کا ردِ عمل میرے دماغ پر اتنا سخت ہوا کہ کئی دن تک مجھ پر سکتے کی سی کیفیت طاری رہی۔ میں بار بار یہی سوچتا رہا کہ اہلسنت کے مذہبی مستقبل کا اب کیا ہوگا۔ زبان وقلم اور علم واستدلال کی جنگ ہو تو میدان سر کیا جا سکتا ہے لیکن مکر وفریب کے ان ہتھیاروں کا ہمارے پاس کیا جواب ہے۔

ہمارا دینی مزاج تو ایک لمحے کے لیے بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ ہم فریب کی راہ سے کسی کو اپنا مذہبی ہمنوا بنائیں یا اسلام کی تبلیغ کے لیے کفر کا شیوہ اختیار کریں۔ اس وقت سے یہ سوال میرے دل کا ایک چبھتا ہوا کانٹا بن گیا کہ سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے دام فریب سے کس طرح بچایا جائے —— شکاریوں کو میں اپنے پیشے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اب میرے اختیار کی بات صرف یہی رہ گئی تھی کہ میں شور مچا کر سارے مسلمانوں کو ہوشیار کر دوں کہ وہ تبلیغی جماعت کے دام فریب سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اپنے بھائیوں کے دین وایمان کی سلامتی کے لئے میری رُوح کا یہ اضطراب قدرتی طور پر میرے ذاتی تجربے کا ردِ عمل تھا اور ہے کیونکہ چور کو کسی دیوار میں نقب لگاتے دیکھ کر شور نہ مچانا فطرتِ انسانی سے جنگ کرنا ہے۔

تیسرا واقعہ تر چنا پلی (مدراس) کے احباب کی دعوت پر میں نے ۱۹۶۹ء میں جنوبی ہند کا سفر کیا۔ واپسی میں حیدر آباد میں ایک دن کے لیے قیام کرنا پروگرام میں شامل تھا اس لیے بنگلور ہوتے ہوئے سکندر آباد میل سے میری واپسی ہوئی۔ بدقسمتی سے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تلنگانہ کی تحریک بالکل شباب پر تھی۔ ریاست کے بہت بڑے حصے میں مظاہرین نے ایک آگ سی لگا رکھی تھی۔ شہری زندگی کا سارا نظام درہم برہم ہو کے رہ گیا تھا۔ رات کے وقت میری ٹرین اس علاقہ سے گزر رہی تھی جو تخریب کاروں کا بہت بڑا مرکز تھا کہ اچانک ایک دھچکے کے ساتھ رُک گئی۔ سارے مسافر سکتے کی حالت میں اُٹھ پڑے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آگے لائن اُکھاڑ دی گئی ہے تقریباً اٹھارہ گھنٹے تک لائن کی مرمت کے انتظار میں ہم لوگوں کو وہاں رُکنا پڑا۔

صبح کے وقت نیچے اُتر کر میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کے ایک مولوی صورت مجھے اپنی طرف آتے ہوئے دکھائی پڑے۔ ان کے ساتھ ایک کمسن نوجوان

بھی تھا۔ وہ میرے پاس آکر بیٹھ گئے اور میرے متعلق یہ معلوم کرنا چاہا کہ میں کہاں سے آ رہا ہوں اور مجھے کہاں جانا ہے۔

بات چیت کے دوران جب میں نے ان کا تعارف حاصل کرنا چاہا تو انھوں نے بتایا کہ وہ حیدر آباد کی تبلیغی جماعت کے امیر ہیں۔ کراڑ ایک اجتماع میں گئے تھے وہاں سے لوٹ رہے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ساتھ کا نوجوان ایک بہت بڑے دولت مند گھرانے کا لڑکا ہے جو حال ہی میں تبلیغی جماعت سے منسلک ہوا ہے۔

اب ان کے ساتھ گفتگو میں دلچسپی لیتے ہوئے میں اطمینان سے بیٹھ گیا۔ وہ تبلیغی جماعتوں کے قصے سناتے رہے اور میں خاموشی سے سنتا رہا۔ تبلیغی جماعت کے متعلق چونکہ وہ میرے نقطۂ نظر سے واقف نہ تھے اس لیے بغیر جھجک کے وہ بولتے رہے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے حیدر آباد کی تبلیغی جماعت کی کارگزاریوں کا بھی تذکرہ چھیڑ دیا۔ جب وہ کہہ چکے تو میں نے اُن سے ایک سوال کیا:

"حیدر آباد تو درگاہوں، خانقاہوں اور مزاراتی روایات کا بہت بڑا گڑھ تھا وہاں تبلیغی جماعت کو قدم جمانے کا موقعہ کیونکر ملا؟"

اس سوال پر وہ اس طرح مسرور ہو گئے جیسے میں نے ان کے حسن تدبّر اور ذہانت کا لوہا مان لیا ہو۔ اسی کے بعد اسی جذبۂ مسرّت کی ترنگ میں انھوں نے یہ کہانی سنائی:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حیدر آباد عہد قدیم سے بدعتیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ قدم قدم پر کفر و شرک کے بے شمار اڈے تھے وہاں کی اٹھانوے فیصدی مسلم آبادی شرکیہ رسموں اور بدعات ہی کو اسلام سمجھتی تھی۔ اس لیے بہت ہی حسن تدبیر اور ذہانت کے ساتھ ہمیں اس مرحلے سے گزرنا پڑا۔

عرس و فاتحہ کی مخالفت کرنے کی بجائے ہم نے یہ طریقہ اپنایا کہ جہاں کہیں عرس کا میلہ لگتا ہم اپنا تبلیغی وفد لے کر وہاں پہنچ جاتے اور لوگوں کو کلمہ و نماز کی تبلیغ کرتے۔ اصرار کر کے بعض زائرین کو بھی گشت میں اپنے ساتھ رکھتے۔ اس طریقۂ کار سے ہمیں دو فائدے پہنچے، پہلا فائدہ تو یہ پہنچا کہ ایک بالکل اجنبی حلقے میں ہماری آواز پہنچ گئی اور دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ

حاصل ہوا کہ کبھی بدعتی مولویوں نے اپنے عوام کو ہماری طرف سے بدظن بھی کرنا چاہا کہ یہ بدعقیدہ اور عرس و فاتحہ کے مخالف لوگ ہیں تو انھی کے عوام نے انھیں جھٹلا دیا کہ یہ لوگ عرس و فاتحہ کے مخالف ہوتے تو فلاں فلاں عرس میں کیوں دیکھے جاتے۔

اپنی کارگزاریوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس سلسلے میں ہمیں ان گدی نشین پیروں سے بھی کافی مدد ملی جو بریلویوں کی طرح اپنے مسلک میں سخت نہیں ہیں۔ ہم ان کی خانقاہوں میں حاضر ہوئے اور ایک خوش عقیدہ نیازمند کی طرح ہم نے ان کی دست بوسی کی اور انھیں اپنے اجتماع میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ کئی بار کی آمد و رفت کے بعد جب وہ تیار ہو گئے تو انھیں نہایت اعزاز و تکریم کے ساتھ اپنے اجتماع میں لے آئے۔ ان کی ہمرکابی میں ان کے مریدین کا جو دستہ آیا تھا اس نے جب اپنے پیر کے ساتھ ہمارا نیازمندانہ رویہ دیکھا تو وہ ہم سے کافی حد تک مانوس ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دوستوں اور پیر بھائیوں میں ہماری خوش عقیدگی کا ایک اچھا خاصا اشتہار بن گیا۔

اس طرح رفتہ رفتہ ہم بغیر کسی فکری تصادم کے وہاں کے اجنبی حلقوں میں داخل ہوتے گئے یہاں تک کہ آج ان حلقوں کی بہت بڑی تعداد نہ صرف یہ کہ تبلیغی جماعت کی ہمنوا بن گئی ہے بلکہ ہم نے انھیں ذہنی طور پر اتنا بدل دیا ہے کہ اب اگر ان کے پیر صاحبان بھی ہم سے قطع تعلق کا انھیں حکم صادر فرمائیں تو وہ اپنے پیر سے قطع تعلق کر سکتے ہیں لیکن اپنی جماعت کے خلاف کچھ سننا برداشت نہیں کریں گے۔

یہاں پہنچ کر ان کا لب و لہجہ بدل گیا۔ انھوں نے فاتحانہ لہجہ میں کہا۔ "مولانا! خدا کا شکر ادا کیجیے کہ تبلیغی جماعت کی خاموش جد و جہد کے نتیجہ میں اب وہاں کفر و شرک کے مراکز کی وہ دھوم دھام باقی نہیں ہے۔ میلاد و فاتحہ اور بدعات کی چہل پہل بھی اب دن بدن ماند پڑتی جا رہی ہے۔ ہمارا جذبۂ جہاد اسی طرح سلامت رہ گیا تو وہ دن دور نہیں ہے جب کہ ان مزاروں پر مکھیاں بھنبھنائیں گی اور ہم ان صنم خانوں کی ویرانی پر شکرانے کی نماز ادا کریں گے۔"

گفتگو کے اس آخری حصے پر میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ میں نے تیور بدل کر ان سے کہا:

"آپ کی کارگزاریوں کی روداد سننے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا میں دجل وفریب کی آخری تربیت گاہ کا نام اب تبلیغی جماعت ہے۔ یہ دنیا اپنی عمر کے آخری حصّے سے گزر رہی ہے ہو سکتا ہے قدرتی طور پر دجال کا کیمپ آپ ہی لوگوں کے ہاتھوں تیار کرایا جا رہا ہو۔" اس جواب پر وہ ہکا بکا سے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے: "بڑا دھوکہ ہُوا، میں آپ کو اپنا سمجھ رہا تھا۔"

قلم کی تلوار اٹھانے کا عزم تبلیغی جماعت سے ذہنی طور پر میں بیزار تو تھا ہی اس واقعہ نے میری دینی غیرت کو اور بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اسی وقت میں نے عہد کر لیا کہ اس جماعت پر ایک مبسوط کتاب ضرور لکھوں گا۔ چنانچہ جمشید پور پہنچ کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ اس موضوع پر جتنے بھی مواد ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے انہیں ایک جگہ جمع کیا۔ ابتدائً مضامین کا جو خاکہ ذہن میں تھا اس کی ضخامت سو صفحات سے زیادہ نہیں تھی لیکن ترتیب کا کام شروع کرنے کے بعد تقریباً ڈھائی سو صفحات کی کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

مشاغل کے ہجوم اور موانع کی کثرت کے باعث ہزار ذہنی آمادگی کے باوجود شاید یہ کتاب اتنی جلد منظرِ عام پر نہ آسکتی لیکن ہونے والی بات کہئے کہ کتاب کا ابتدائی مسودہ میں نے اپنے اکابر واحباب میں سے جس کسی کو سنایا انھوں نے اسے بے حد پسند کیا اور اصرار فرمایا کہ اسے جلد سے جلد مکمل ہو کر منظرِ عام پر آجانا چاہیے۔

خصوصیت کے ساتھ سیّدی حضور برہان الملۃ سرکار جبلپور دامت برکاتہم، حضرت سیّد العلماء صدر آل انڈیا سُنّی جمعیۃ العلماء بمبئی، حضرت استاذ العلماء شیخ الحدیث اشرفیہ مبارکپور، حضرت سلطان المتکلمین مفتی اعظم کانپور، حضور مجاہد ملّت رئیس اعظم اڑیسہ، حضرت علامہ شاہ عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی، حضرت مولانا سیّد شاہ عبد الحق صاحب چشتی، حضرت مولانا سیّد مظفر حسین صاحب کچھوچھوی، حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی، حضرت مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی، حضرت مولانا شاہ غلام آسی صاحب ابو العلائی، حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی، حضرت مولانا اسرار الحق صاحب، حضرت مولانا مفتی

شریف الحق صاحب امجدی، حضرت مولانا رئیس عالم صاحب قادری وغیرہم اور ایک صاحب خیر کا اصرار اس کتاب کی تکمیل کے لیے بہترین معاون ثابت ہُوا۔

کتاب کی طباعت کے سلسلے میں اپنے مدرسہ کے سیکریٹری انتظامیہ جناب احمد بخش صاحب اور نائب مہتمم مولانا عرفان صاحب کے لیے میں دل سے دعاگو ہوں کہ ان حضرات کی وجہ سے مجھے اس کتاب کی ترتیب کے لیے فرصت کے لمحات میسر آئے۔

اپنے موضوع پر کتاب کی افادیت کے سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ قارئین کا اپنا حق ہے البتہ تاثرات سے سرفراز کرنے کی درخواست ضرور کروں گا۔ دعائیں شریکِ حال رہیں تو "زلزلہ" نام کی ایک انقلاب انگیز اور معرکۃ الآراء کتاب جلد ہی منظرِ عام پر آئے گی۔

ناچیز
ارشد القادری
مکتبہ جام نور۔ فیض العلوم۔ جمشید پور بہار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمْ

ایک سوال

جناب محترم علّامہ ارشد القادری صاحب مدیر اعلیٰ جام نور کلکتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'

نہایت اضطراب کی حالت میں آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ دینی خدمت کے رشتے سے یہ تکلیف آپ کے لیے بارِ خاطر نہ ہوگی۔

بستی نظام الدین دہلی کی تبلیغی جماعت کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیسی ہے؟ اس کی تبلیغی سرگرمیوں کا اصل مقصود کیا ہے؟ کس ذہن و اعتقاد کے لوگ اس کی کمان کر رہے ہیں؟ آیا اس جماعت کے ساتھ دینی منفعت کا کوئی تصوّر وابستہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

از راہِ کرم اس سلسلے میں اطمینان بخش اور مفصّل و مدلّل جواب مرحمت فرما کر ہم مسلمانانِ گجرات کو ممنون فرمائیں۔

آپ کا مخلص

قاری اسمٰعیل ٹنکاروی

احمد آباد (گجرات)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

الجواب

مذکورہ بالا سوال کا جواب چونکہ بہت زیادہ تفصیل کا طالب ہے اس لیے میں اپنے اس جواب کو آٹھ ابواب پر تقسیم کرتا ہوں تاکہ جواب کے سارے اجزا خوب وضاحت کے ساتھ ذہن نشین ہو جائیں۔

جواب کا سلسلہ شروع کرنے سے قبل اپنے قارئین سے اس بات کی ضرور سفارش کروں گا کہ وہ غیر جانبدار ہو کر میری تحریر کا مطالعہ فرمائیں۔ عین ممکن ہے کہ تبلیغی جماعت کے متعلق پہلے سے جو رائے ذہن میں قائم کر لی گئی ہو، میرا یہ جواب اس سے ٹکرا جائے۔ پھر بھی عرض کروں گا یہی وہ منزل ہے جہاں انصاف کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور کسی بھی آدمی کو غیر واقعی حالات کی زد سے اپنے آپ کو بچا لینے کا موقعہ ملتا ہے۔ دُنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے علم و ذہن کا فیصلہ ناقابل تغیر ہے۔ اس لیے بددل ہو کر کتاب رکھ دینے کے بجائے اس کی ایک ایک سطر سے گزر جانا حقیقت کی طرف ایک کامیاب پیش قدمی ہوگی۔

میں بھی اپنے قارئین کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے بھی تبلیغی جماعت سے متعلق اُن کے اظہار میں کہیں بھی جذبۂ انصاف کی گرفت سے اپنے قلم کو آزاد نہیں ہونے دیا ہے۔ خدائے قدیر ہم دونوں کو انصاف نظر اور قبولِ حق کی توفیق مرحمت فرمائے۔

باب ۱

تبلیغی جماعت کی ابتدائے آفرینش اور اس کے بانی کا تعارف

کسی بھی جماعت کے قرار واقعی مقاصد اور اس کی سرگرمیوں کے اصل محرکات سے باخبر ہونے کے لیے اس کے بانی کے ذہن سے باخبر ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ عملی نتائج کے اعتبار سے ہر جماعت کا اپنے بانی کی فکر کے تابع ہونا ایک ایسی قدرتی چیز ہے جس سے انکار کی قطعاً گنجایش نہیں۔

خود دیوبندی جماعت کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب نے بھی جماعت اسلامی ہند کے امیر کے نام اپنے لکھے ہوئے ایک مکتوب میں برملا اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، جو کسوٹی انھوں نے جماعت اسلامی کے لیے تجویز فرمائی ہے وہی کسوٹی تبلیغی جماعت کے لیے بھی پسند کرنا ہوگی۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

> محترما! جب کوئی تحریک کسی شخص کی طرف منسوب ہوگی تو وہ قبلۂ توجہ ہوگا اور اس شخص کے عقاید و اخلاق کا اثر ممبروں پر قطعی طور پر پڑے گا۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲ ص ۲۷۰۔)

یہ نکتہ ذہن نشین ہو جانے کے بعد اب تبلیغی جماعت کے بانی اور اس تحریک کے نقطۂ آغاز کی تفصیلات سنیے! واضح رہے کہ ساری تفصیلات تبلیغی جماعت کے لٹریچر ہی سے اخذ کی گئی ہیں۔

ایک خواب کی کہانی تبلیغی جماعت کے مرکزی قائد مولوی منظور نعمانی اپنی کتاب "ملفوظات مولانا الیاس" میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا الیاس کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

"ایک بار فرمایا کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ بعض لوگوں کو خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے کہ ریاضت و مجاہدہ سے نہیں ہوتی کیونکہ خواب میں علوم صحیحہ القا ہوتے ہیں جو نبوت کا حصہ ہے پھر ترقی کیوں نہ ہوگی"۔ ملفوظات مولانا الیاس ص ۵۱۔

یہاں تک تو وہ تمہید تھی جس کے ذریعہ حاشیہ نشینوں کا ذہن ہموار کیا گیا ہے۔ اب حرف مدعا کا ابتدائی حصہ سنیئے۔ لکھتے ہیں:

"پھر فرمایا آج کل خواب میں مجھ پر علوم صحیحہ کا القا ہوتا ہے اس لیے کوشش کرو کہ مجھے نیند زیادہ آئے"۔ کتاب مذکورہ ص ۵۱۔

اس مقام پر ملفوظات کے مرتب مولوی منظور صاحب نعمانی کا یہ بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لکھتے ہیں:

"خشکی کی وجہ سے نیند کم ہونے لگی تھی تو میں نے حکیم صاحب اور ڈاکٹر کے مشورہ سے سر میں تیل کی مالش کرائی جس سے نیند میں ترقی ہوگئی"۔ کتاب مذکور ص ۵۱۔

نیند کی زیادتی کو "ترقی" سے تعبیر کرتے وقت ذرا اس جذبۂ عقیدت کا دباؤ ملاحظہ فرمایئے جو صرف "دل وارفتہ" کا حصہ ہے۔ اب وہ اصل مدعا سنیئے جس کے اظہار کے لیے اتنی طویل تمہید باندھی گئی ہے۔ ملفوظات کے مرتب لکھتے ہیں:

"آپ (مولانا الیاس) نے فرمایا کہ اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا"۔ ملفوظات ص ۵۱۔

ذہن پر ذرا سا زور دینے کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ مولانا الیاس کے اس بیان نے اچانک بات سارے حقائق کے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور بہت سی چھپی ڈھکی باتیں ایک دم معلومات کے اجالے میں آگئیں۔

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ تبلیغی جماعت کے بانی خود مولانا الیاس ہیں اور دوسرا راز یہ بے نقاب ہوا کہ تبلیغی جماعت کے مبلغین سادہ لوح عوام کو جھوٹی ترغیب دینے کے لیے یہ جو عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کا موجودہ طریقہ انبیاء اور صحابہ کا طریقہ ہے تو

یہ سو فیصدی غلط، صریح جھوٹ اور نہایت شرمناک فریب ہے۔ کیونکہ تبلیغی جماعت کا موجودہ طریقۂ تبلیغ اگر انبیاء اور صحابہ کا طریقہ ہوتا تو یہ قرآن وحدیث اور کتابوں کے ذریعہ معلوم ہونے کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ طریقہ بالکل "ایجاد بندہ" ہے۔

خواب پر کسی دینی کام کی بنیاد وہی رکھ سکتا ہے جو قرآن وحدیث کی رہنمائی سے بے نیاز ہو جائے۔

اس مقام پر ایک اور نکتہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ خود مولانا الیاس نے اس "الہامی خواب" کے باوجود موجودہ طریقۂ تبلیغ کو اپنی ہی طرف منسوب کیا ہے۔ اس سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ انھیں خود بھی اس الہام پر یقین تھا۔ جیسا کہ اسی ملفوظات الیاس میں مولوی منظور نعمانی ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

"ایک بار فرمایا: "حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔
بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی"۔ ملفوظات ص ۵۰۔

خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیے اور ایک بار نہیں کئی بار پڑھیے اور انصاف و دیانت سے بتائیے کہ موجودہ طریقۂ تبلیغ کے ایجاد بندہ ہونے میں کیا اب بھی کوئی شبہ باقی رہ جاتا ہے۔

علاوہ ازیں تبلیغی جماعت کے علماء بھی اپنی تقریروں اور تحریروں میں بار بار اس حقیقت کا اعادہ کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کا موجودہ طریقہ مولانا الیاس نے ایجاد کیا ہے۔ وہی اس کے بانی اور موجد ہیں۔ اس لیے اس دعوے کے ثبوت میں اب مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ "چودھویں صدی" کی ایجاد ہے۔

انصاف و دیانت کا خون

جب یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ تبلیغی جماعت کا موجودہ طریقہ انبیاء اور صحابہ کا طریقہ نہیں ہے بلکہ اسی چودھویں صدی میں خود مولانا الیاس نے اسے ایجاد کیا ہے تو اب اس سلسلے میں

ایک اصولی بحث نوکِ قلم پر لانا چاہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ قارئین کرام حق کے ساتھ انصاف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دینی اُمنگوں کا عہدِ شباب ڈھل جانے کے بعد ہندُستان اور تمام ممالک اسلامیہ میں دین سے باخبر ہونے کے چار ہی ذرائع مسلمانوں کے پاس رہ گئے تھے۔ خواص کے لیے دینی مدارس اور عوام کے لیے محافل میلاد و وعظ، مساجد اور خانقاہیں۔

محافل میلاد نے ایک عالمگیر ذریعۂ تبلیغ کے طور پر تمام دنیا کے مسلمان مرد و زن اور شہر و دیہات کے عامۂ مسلمین کی جو عظیم دینی خدمات انجام دی ہیں اور جس وسیع پیمانے پر ان کے ذہن کو دین کے ساتھ مربوط رکھا ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن وقت کا سب سے بڑا ماتم یہ ہے کہ پریس، لٹریچر اور نو ساختہ تحریکوں کے اس موسم برسات سے قبل جس محفل میلاد نے صدیوں تک اسلام کی تبلیغی ضرورتوں کو پُورا کیا ہے اور اُمت کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے ساتھ وابستہ رکھنے میں ایک والہانہ کردار کی تاریخ مرتب کی ہے اسی محفل میلاد کو تبلیغی جماعت کے علماء صرف اس لیے حرام کہتے ہیں کہ اس کا نام تبلیغی جماعت نہیں "محفل میلاد" ہے یا اس لیے کہ اس کی ایجاد چودھویں صدی میں نہیں بلکہ پانچویں صدی میں ہُوئی ہے۔

حوالہ کے لیے دیکھیے تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس کے پیر و مرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کا یہ فتویٰ! کسی نے سوال کیا:

"انعقاد مجلس میلاد و بدون قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمایا: "انعقاد مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے"" ۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۸۳۔

جہاں تک دینی مسائل کی تبلیغ اور خدا و رسول کے ساتھ بندوں کو وابستہ رکھنے کیلیے ترغیبات کا تعلق ہے خدا شاہد ہے کہ محفل میلاد کے انعقاد سے ہمیشہ یہی اغراض مطلوب رہے ہیں اور آج بھی محفل میلاد کے نام پر جہاں کہیں کوئی اجتماع ہوتا ہے وہاں زمانہ گواہ ہے

کہ خیر و حسنات ہی کے سرچشموں کی طرف لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہیں بھی اس کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی کہ شر اور معاصی کی طرف انھیں بلایا گیا ہو۔

لیکن ذہن کا یہ افلاس سمجھ میں نہیں آتا کہ نوسو برس کے رائج طریقۂ تبلیغ کو تو کھلے بندوں حرام و قبیح کہا جاتا ہے اور اس چودھویں صدی میں ایجاد ہونے والے طریقۂ تبلیغ کو دین کا سب سے اہم کام قرار دیا جا رہا ہے۔

کسی بھی بدعت سے اگر اس لیے نفرت ہے کہ وہ عہد صحابہ کی ایجاد نہیں ہے تو وہ چاہے نوسو برس کی پرانی بدعت ہو یا پچاس برس کی نئی، شریعت کا فیصلہ دونوں کے حق میں یکساں ہونا چاہیے۔

پھر پچاس برس کی بدعت کو اگر اس لیے قبول کر لیا گیا ہے کہ اس میں دین کا نفع منصور ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسی دینی منفعت کی بنیاد پر نوسو برس کی بدعت کو بھی گوارا نہ کیا جائے۔

بالکل ایک ہی طرح کے مقدمہ میں سوچنے کا الگ الگ انداز واضح طور پر اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ سوچنے والے دین کے رُخ پر نہیں سوچتے، اپنے ذاتی اور گروہی مفاد کے رُخ پر سوچتے ہیں ورنہ یہ امر واقعہ ہے کہ دین کا مفاد اگر ان حضرات کے پیشِ نظر ہوتا تو محفل میلاد کے سوال پر لڑنے کی بجائے اُسے اپنی رگِ جاں کی طرح عزیز رکھتے۔

بہرحال یہ حضرات اگر بشاشتِ قلب کے ساتھ انصاف و دیانت کے اس خون کا اعتراف نہ کر سکیں تو کم از کم اُن سے میرا یہ مطالبہ غیر معقول نہیں ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا تلاش کرنے سے قبل کسی آئینے میں وہ خود اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھ لیا کریں۔ بیگناہی کی نخوت کے آزار کا اس سے بہتر اور کوئی علاج اب تک دریافت نہیں ہو سکا ہے۔

مولانا الیاس کا تعارف

یہاں تک تو تبلیغی جماعت کی تاریخِ ولادت پر بحث تھی اب اس جماعت کے بانی مولانا الیاس صاحب کی شخصیت کا تعارف ملاحظہ فرمائیے۔ تبلیغی جماعت کے دوسرے مرکزی قائد مولانا ابوالحسن علی ندوی

"مولانا الیاس اور اُن کی دینی دعوت" کے نام سے موصوف کی مفصل سوانح حیات لکھی ہے۔ ذیل کے تعارفی اقتباسات اُنہی کی کتاب سے ماخوذ ہیں ـــــ مولانا الیاس کے متعلق انھوں نے بتایا ہے کہ اُن کا تاریخی نام "الیاس اختر" ہے۔ موصوف ان کے عہد طفلی کا حال بیان کرتے ہُوئے ایک جگہ لکھتے ہیں؛

"اُمّی بی (مولانا الیاس کی نانی) مولانا پر بہت شفیق تھیں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ اختر! مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے۔ کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرمائیں کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں"۔ دینی دعوت ص ۴۲۔

گود میں عالمِ شباب حال شباب کچھ نہ پوچھ

اب یہیں سے اندازہ لگا لیجیے کہ بچپن میں جب صحابۂ کرام کی رُوحیں ان کے ارد گرد پھرتی تھیں تو اُن کا عالمِ شباب کس قیامت کا ہوگا۔ اب یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ سوانح نگار جوانی کی منزل تک پہنچا کر انھیں کس منصب پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔

پیغمبرانہ منصب کی طرف پیش قدمی

حتمی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا کہ منصبِ نبوت اُن کا آخری نشانہ ہے لیکن اس منصب کی طرف پیش قدمی ضرور کی گئی ہے۔ چنانچہ اسی کے بعد موصوف نے مولانا الیاس کا وہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جو نزولِ وحی سے متعلق ہے ــــ لکھتے ہیں:

مولانا (الیاس) فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ حضرت (گنگوہی) سے کہا تو حضرت تھرا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم نے یہی شکایت حاجی صاحب (اپنے پیرومرشد) سے فرمائی تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا۔۔ دینی دعوت ص ۴۵۔

میں نہیں سمجھتا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی جیسے مشہور اہل قلم۔ نے اس مقام پر اصل واقعہ کی نقل میں خیانت سے کیوں کام لیا ہے۔ حاجی صاحب کا جواب یہ نہیں تھا کہ اللہ آپ سے کوئی کام لے گا۔ بلکہ اصل قصہ یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی نے جب حاجی صاحب سے

یہ شکایت کی کہ:

جہاں تسبیح لے کر بیٹھا ایک مصیبت ہوتی ہے۔ اس قدر گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر کسی نے رکھ دیئے زبان و قلب سب بستہ ہو جاتے ہیں"۔ سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۵۸۔ شائع کردہ دارالعلوم دیوبند۔

اس پر حاجی صاحب نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وُہ ثقل (بوجھ) ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا تم سے حق تعالٰے کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے"۔ سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۵۹۔

اب اس تفصیل کی روشنی میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کے لکھنے کے مطابق معلوم ہُوا کہ بعینہٖ یہی قصہ مولانا الیاس کے ساتھ بھی پیش آیا تھا یعنی ان کے قلب پر بھی نبوت کا فیضان ہوتا تھا اور انھیں بھی معاذ اللہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرح نزول وحی کی گرانی محسوس ہوا کرتی تھی۔

دعوٰی یہاں تک تو پیغمبرانہ منصب کی طرف ایک خاموش پیش قدمی تھی۔ اب مثل انبیاء علیہم السّلام کے لوگوں میں ظاہر کئے جانے کا دعوٰی ملاحظہ فرمائیے۔ ملفوظات الیاس کا مرتب اپنی کتاب میں ان کا یہ دعوٰی نقل کرتے ہُوئے لکھتا ہے:

(آپ نے فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کی تفسیر خواب میں یہ القا ہُوئی کہ تم مثل انبیاء علیہم السّلام کے لوگوں کے واسطے ظاہر کیے گئے ہو۔ ملفوظات ص ۵۱

لا الٰہ الّا اللہ! ذرا غضب دیکھیے کہ یہ آیت کریمہ بھی خدا ہی کی نازل فرمودہ ہے اور اس کی تفسیر بھی وہی القا فرما رہا ہے فرق صرف یہ ہے کہ آیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہُوئی تھی تفسیر مولانا الیاس پر اُتری ہے پس خدا ہی کی طرف سے جب آیت و تفسیر دونوں ہی کا نزول ہے تو کون خدا کا باغی بندہ ہے کہ ایک پر ایمان لائے دوسرے سے انکار کر دے۔

دیکھ رہے ہیں آپ ! کتنے مسلح طریقے پر پیغمبرانہ منصب کی طرف پیش قدمی کی گئی ہے کہ آدمی انکار بھی کرنا چاہے تو اندازِ بیان کی ہیبت سے مرعوب ہو کر رہ جائے۔ تقریباً چودہ سو برس سے دنیائے اسلام میں یہ آیت پڑھی جا رہی ہے۔ سب نے اس کا مفہوم یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت کریمہ اُمت محمدیؐ کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ تم بہترین امت ہو۔ تمہارا فرض منصبی یہ ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاؤ اور برائی سے روکو۔ لیکن چودہ سو برس کے بعد آج پہلی بار یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ معاذ اللہ یہ آیت کریمہ مولانا الیاس کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کا تفسیری مفہوم یہ ہے کہ مولانا الیاس مثل انبیاء علیہم السلام کے لوگوں کے واسطے ظاہر کئے گئے ہیں۔

خدا کی پناہ ! آدمی جب شقاوت پر اُتر آتا ہے تو کیسی کیسی لرزا دینے والی جسارتیں کرتا ہے ـــــ کہتے ہیں کہ قرآن کی ایک آیت کریمہ کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اسی طرح کا مذاق کیا تھا کہ :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

کے الہام میں محمد رسول اللہ سے مراد میں ہوں (معاذ اللہ)"۔ اخبار الفضل قادیان ۱۵۔ جولائی ۱۹۲۵ء۔

ذرا غور فرمائیے ! کہ دین کی ثابت شدہ حقیقتوں سے بغاوت کے لیے انبیاء علیہم السلام کے مثل ظاہر کیے جانے کا دعویٰ ہی کیا کم تھا کہ اس دعوے کو آیت کی تفسیر بنا دیا گیا اور اس پر مزید ستم یہ ڈھایا گیا کہ اُسے خدا کی طرف سے نازل شدہ الہام بھی قرار دے دیا گیا۔

ایک طرف منصب نبوت جیسا ادعا، دوسرے آیت کی معنوی تحریف تیسرے خدا کی ذات پر افترا۔ ذرا سوچیے ! کہ ایک نشانے میں کتنی حُرمتوں کا خُون ہوا۔

تصدیق

اِن تفصیلات کے بعد اب ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجیے کہ مولانا الیاس پر نازل ہونے والے ان الہامات کا ان کے ماننے والوں نے کیا اثر قبول کیا ہے تو اس سلسلے میں صرف دو واقعوں کی نشان دہی کرنا چاہتا ہوں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "دینی دعوت" میں لکھا ہے کہ ایک بار دہلی میں غلط طور پر مولانا الیاس کی موت کی خبر مشتہر ہوگئی۔ اس افواہ پر کافی لوگ جمع ہوگئے۔ لکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر خبر کی تردید کے لیے ایک تقریر کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود انہی کی زبانی سُنیے۔ لکھتے ہیں:

مولانا منظور صاحب نعمانی نے مسجد کے نیچے درخت کے تلے "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل" کے مضمون پر ایک برمحل اور موثر تقریر کی۔ :- دینی دعوت ص ۱۸۱۔

اور پھر یہی آیت اُس دن بھی تلاوت کی گئی جس دن سچ مچ مولانا الیاس انتقال کر گئے چنانچہ یہی علی میاں لکھتے ہیں کہ جب اُن کا جنازہ میدان میں لاکر رکھا گیا تو اس موقعہ پر:

"شیخ الحدیث (مولانا زکریا) اور مولانا محمد یوسف صاحب کا حکم ہوا کہ لوگوں کو میدان کے نیچے جمع کیا جائے اور اُن سے خطاب کیا جائے "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل" کے مضمون سے بڑھ کر اس موقعہ کے لیے تعزیت و موعظت کیا ہو سکتی تھی"۔ :- دینی دعوت ص ۱۸۶۔

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل" کی آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار نامدار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے وصال شریف کے موقعہ پر تلاوت فرمائی تھی اور اسی آیت کی روشنی میں صحابۂ کرام کو اس امر کا یقین دلایا تھا کہ حضور وصال فرما گئے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے: اور محمّد اللہ کے رسول ہیں اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

آیت کا مفہوم اور اس کا محل استعمال واضح ہو چکنے کے بعد اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آخر مولانا الیاس کی وفات پر بار بار اسی آیت کی تلاوت کا کیا موقعہ تھا جبکہ موت کے مضمون پر قرآن کریم میں بے شمار آیات موجود ہیں۔

اس سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ مولانا الیاس کا منصب ان کے ماننے والوں کی نظر میں کسی طرح بھی ایک رسول کے منصب سے کم نہیں تھا اسی لیے ان کی موت پر بھی

وہی آیت منطبق کی گئی جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں نازل ہوئی تھی اور صحابہ کرام نے پیغمبر ہی کے وصال شریف کے موقعہ پر جس کی تلاوت فرمائی تھی۔

چودہ سو سال کی طویل مدت میں لاکھوں اکابر اُمت اور عرفائے حق نے اس سرائے فانی سے سفر کیا لیکن کہیں ثابت نہیں ہے کہ کسی بڑے سے بڑے بزرگ کے وصال پر یہ آیت منطبق کی گئی ہو۔

اس لیے مذکورہ بالا واقعات کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ مولانا الیاس کے الہامی دعووں سے تبلیغی جماعت کے لوگ اتنے زیادہ متاثر تھے کہ ان کی نظر میں مولانا الیاس کا مقام قطعاً ایک پیغمبر کے مقام کے دوش بدوش تھا۔

تنقیص انبیاء کے جذبے کی حوصلہ افزائی

یہاں تک تو مولانا الیاس کی عظمت شان کے اظہار کا ثبت طریقہ تھا۔ اب تصویر کا دُوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے — اس نکتے سے آپ ناواقف نہ ہوں گے کہ دوسروں کی تنقیص کر کے بھی کبھی اپنی برتری کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مولانا الیاس کے متبعین کو مبارک ہو کہ مولانا نے اس فن کو بھی تشنۂ التفات نہیں رہنے دیا ہے۔

چنانچہ تبلیغی کارکنوں کا انبیائے کرام کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے ان کے نام اپنے ایک گشتی مراسلہ میں موصوف تحریر فرماتے ہیں:

> "اگر حق تعالیٰ کسی کام کو لینا نہیں چاہتے تھے تو چاہے انبیاء بھی کتنی کوششیں کریں تب بھی ذرہ نہیں ہل سکتا اور کرنا چاہیں تو تم جیسے ضعیف سے بھی وہ کام لے لیں جو انبیاؑ سے بھی نہ ہو سکے"۔ مکاتیب الیاس ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

قسم ہے آپ کو جلالت خداوندی کی! ذرا اس عبارت کی اسپرٹ پر غور فرمائیے اور بے لاگ ہو کر فیصلہ دیجیئے کہ کیا اس عبارت میں انبیاؑ کے مقابلے پر اپنے اور اپنے تبلیغی کارکنوں کی برتری کا جذبہ کارفرما نہیں ہے۔ دین کا وہ کون سا کام ہے جو خدا کی مشیت کے بغیر وجود میں آتا ہو لیکن نہ کر سکنے والے کے مقابلے میں کر گزرنے والے کی برتری تو بہرحال ثابت ہو جاتی ہے۔

اس لیے کہنے دیا جائے کہ اس اہانت آمیز پیرایۂ بیان کا مقصد سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ جن انبیائے کرام کا حلقۂ تبلیغ سالہا سال کی جدوجہد کے بعد بھی چند افراد سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ان کے مقابلے پر آج کے اُن تبلیغی کارکنوں کی برتری ثابت کی جائے جو اپنے تئیں ایک عالم کو ہدایت یاب بنا چکے ہیں اور اس کے بعد انھیں اس ہلاکت خیز نخوت میں مبتلا کر دیا جائے کہ جو کام انبیاءؑ سے بھی نہ ہوسکا وہ کام ہم کر گزرے۔

معاذ اللہ! ذرا سوچیے کہ کیا تنہا یہی ایک آزار پوری تبلیغی جماعت کی ہلاکت کے لیے کافی نہیں ہے؟

اور یہ بھی سُن لیجئے کہ انبیاءؑ کے مقابلے میں اُمتی کو آگے بڑھانے کا یہ جذبہ کچھ اتفاقی نہیں ہے کہ اسے قلم کی لغزش قرار دیا جائے بلکہ ان حضرات کا مزاج ہی یہ ہے جیسا کہ مولانا الیاس کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب دیوبندی اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:

"پیغمبروں کو عمل کی وجہ سے فضیلت نہیں۔ عمل میں تو بعض اُمتی پیغمبر سے بڑھ جاتے ہیں۔" (مدینہ بجنور یکم جولائی ۱۹۵۸ء ص ۳ کالم ۳)

اور بالکل اسی طرح کا عقیدہ اس گروہ کے امام مولانا قاسم نانوتوی بھی بہت پہلے اپنی کتاب تحذیر الناس میں تحریر فرما گئے ہیں۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

"انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔" (تحذیر الناس ص ۵)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ مولانا الیاس سے لے کر مولانا حسین احمد اور مولانا قاسم نانوتوی تک، سب کے حق میں مشترک طور پر قلم کی لگاتار لغزشوں کا تصور کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ ایک ہی مذہب فکر کے تین پیشواؤں کے لکھنے اور سوچنے کا ایک ہی انداز کیا واضح طور پر اس امر کی نشان دہی نہیں کرتا کہ دراصل یہ قلم کا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ پیغمبروں کی تنقیص کی طرف ان حضرات کی ایک سوچی سمجھی اور منظم پیش قدمی ہے۔

تنقیص انبیائے کے فن میں دیوبندی حضرات کی مہارت یہ معلوم کر کے آپ حیرت زدہ نہ ہوں کہ تنقیص انبیاء کے فن میں ان حضرات کو ایک خاص مہارت حاصل ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ جب یہ حضرات انبیاء کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں تو براہِ راست ان کی عظمت پر حملہ کرنے کی بجائے، پہلے یہ لوگ خدا کے ساتھ انبیاء کے تقابل کا ایک فرضی ماحول بناتے ہیں اور اس کے بعد انبیاء کو خدا کے مقابلہ پر رکھ کر جو چاہتے ہیں بے خطر کہہ جاتے ہیں۔ جیسا کہ مولانا الیاس نے بھی انبیاء کی تنقیص کے لیے اپنے مکتوب میں یہی پیرایہ اختیار کیا ہے اور پھر ذرا قلم کی چابکدستی دیکھیے کہ انبیاء کی تنقیص شان پر جب اُن سے کوئی باز پرس کرتا ہے تو جھٹ تاویل کرتے ہیں کہ ہم نے تو خدا کی قدرت و عظمت اور اُس کی جلالت شان کا پہلو واضح کیا ہے۔ ہم نے انبیاء کی کہاں تنقیص کی ہے۔ دراصل قلم کی یہی چابکدستی ان کی مہارتِ فن کا سب سے بڑا راز ہے۔

مثال کے طور پر اس فن کے امام مولوی اسمٰعیل دہلوی اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں خدا کی شان کا اظہار کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اُس شاہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ، جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل پیدا کر ڈالے"۔ تقویۃ الایمان ص ۴۱۔

خدا کی عظمت شان سے کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے لیکن دراصل گریبان تھامنے کی جگہ یہ ہے کہ اس کے اظہار کے لیے جو پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے وہ کیسا ہے اور کس کا ہے؛ انبیاء کو خدا کی عظمت کے نشانے پر رکھے بغیر کیا خدا کی عظمت کے اظہار کا کوئی دوسرا پیرایہ نہیں ہو سکتا تھا؟

میں کہتا ہوں پیرایۂ بیان کے عیب و ہنر سے اگر آنکھیں بند کر لی جائیں تو خدا کی قدرت کو درمیان میں رکھ کر آسانی سے ہر شخص کی حُرمت کا مذاق اُڑایا جا سکتا ہے بلکہ اسی عنوان پر ایک ضخیم حمد باری تیار کی جا سکتی ہے۔

مثال کے طور پر بلا شبہ خدا اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے کسی بھی بندہ کو خنزیر کی شکل میں تبدیل کر کے اسے جہنم کا کندہ بنا دے۔ لیکن اسی پیرایۂ بیان میں اگر کوئی مولانا الیاس کا نام لے کر

خدا کی قدرت کا اظہار کرے تو انصاف سے بتایئے کہ مولانا الیاس کے معتقدین چیخ اٹھیں گے یا نہیں؟

یا پھر تقویۃ الایمان کے مصنف کے لب ولہجہ میں اگر کوئی اس طرح خدا کی شان کا اظہار کرے کہ اُس شاہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے چاہے تو سارے تبلیغی مولویوں کو رُوسیاہ بندر بنا دے، تو آپ ہی انصاف سے کہیے کہ بات سو فیصدی صحیح ہونے کے باوجود کیا اس پیرایۂ بیان سے تبلیغی جماعت کے لوگوں کی دل آزاری نہیں ہوگی۔؟

واضح رہے کہ کہنے کی نیت سے میں نے یہ باتیں نہیں کہی ہیں بلکہ مقصود ان تمثیلوں سے صرف یہ محسوس کرانا ہے کہ دُوسروں کے جذبۂ عقیدت کی ٹھیس کتنی دردناک ہوتی ہے۔

اس باب کے خاتمے پر میں پھر تبلیغی جماعت کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب کے اس بیان کا اعادہ کر رہا ہُوں کہ جب کوئی تحریک کسی شخص کی طرف منسُوب ہوگی تو وُہ قبلۂ توجہ ہوگا اور اس شخص کے عقائد و اخلاق کا اثر ممبروں پر قطعی طور پر پڑے گا۔

گزشتہ صفحات میں تبلیغی جماعت کا مولانا الیاس کی طرف منسوب ہونا اظہر من الشمس ہوگیا اور یہ حقیقت بھی طشت از بام ہوگئی کہ وہ کون تھے، کیا چاہتے تھے اور کس طرح انھوں نے تبلیغ و دعوت کے پردے میں پیغمبرانہ منصب کی طرف پیش قدمی کی ہے اور صرف پیش قدمی ہی نہیں کی ہے بلکہ چھلانگ لگا کر انبیاءؑ سے بھی آگے نکل جانے کی کوشش فرمائی ہے —— اور اتنا ہی نہیں کیا ہے بلکہ اپنے ماننے والوں میں تنقیص انبیاءؑ کے جذبے کی بھی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

اتنی وضاحتوں کے بعد اب تبلیغی جماعت کے ذہنی ماحول کی آب و ہوا کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے —— میں نہیں سمجھتا کہ ایسی بوجھل فضا میں ایک سچا مسلمان اور ایک ظاہر و باطن کا وفادار مومن کیوں کر سانس لے سکتا ہے۔

بہر حال ہمارا کام حقائق کے چہرے سے نقاب اُلٹنا تھا وُہ ہم نے کر دیا اب اس کا فیصلہ قارئین کے ذمّہ ہے کہ ان کے ایمان کی پرورش کے لیے کیسی جگہ چاہیے —— کاجل کی کوٹھڑی میں پہنچ کر وُہ دُودھ کی طرح اپنے سفید دامنِ دل کو داغدار ہونے سے بچا

سکیں گے یا نہیں ؟

تبلیغی جماعت کی ہلاکت خیزیوں کو محسوس کرنے کے لیے اب بھی اگر ذہن کا کوئی گوشہ تاریک رہ گیا تو آگے بڑھیے اور دوسرے باب کا مطالعہ فرمائیے۔

باب ۲

تبلیغی جماعت کے اغراض و مقاصد

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جماعتوں اور تحریکوں کے متعلق پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے فیصلے کا انحصار ان کے اغراض و مقاصد ہی پر ہوا کرتا ہے ورنہ جماعت کتنے ہی فعال، متحرک، وسیع الاثر اور اسباب و وسائل سے مسلح ہو لیکن اگر اس کے مقاصد ناپسندیدہ ہوں تو ایسی جماعت کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔

اس لیے تبلیغی جماعت کے متعلق کوئی آخری رائے قائم کر لینے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اُن مقاصد کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے جو بانی جماعت کے ذہن میں تھے۔

تھانوی صاحب کی تعلیمات کی اشاعت تبلیغی جماعت کا اہم مقصد

پس اس سلسلے میں ہم مولانا منظور نعمانی کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے "ملفوظاتِ الیاس" میں خود بانیٔ جماعت کی زبانی اس امر کی نشان دہی فرمادی ہے۔ ان کا ایک ملفوظ نقل کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

"ایک بار فرمایا، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑا کام کیا ہے پس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی"۔ ملفوظات ص ۵۷۔

کسی بھی تبلیغی انجمن کا ڈھانچہ دو ہی حصوں پر مشتمل ہوا کرتا ہے ایک تعلیم دوسرا طریقۂ تبلیغ، ان دو میں سے کوئی ایک بھی اگر اسلام کی طرف منسوب ہو تو ہم بجا طور پر اس انجمن کو اسلامی انجمن کہہ سکتے ہیں۔

لیکن مولانا الیاس کے مذکورہ بالا بیان میں چونکا دینے والی خبر یہ ہے کہ ان دونوں

حصوں میں سے کوئی حصہ بھی خدا اور رسول کی طرف منسوب نہیں ہے۔ تعلیم تھانوی صاحب کی ہے اور طریقۂ تبلیغ خود مولانا الیاس کا ہے۔

اس بیان سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ تبلیغی جماعت کا اصل مقصد خدا اور رسول کی تعلیمات کا پھیلانا نہیں ہے بلکہ تھانوی صاحب کی تعلیمات کو عام کرنا ہے۔

مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تبلیغی جماعت نے اپنا مقصد تبلیغ یہ کیوں قرار دیا۔ کیونکہ مقصد تو ہر شخص اپنی ہی پسند کے مطابق معین کرتا ہے۔ در اصل اعتراض کی جگہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ اپنے اس مقصد کو چھپاتے کیوں ہیں۔ وہ بر ملا کیوں نہیں کہتے کہ ہم مولانا تھانوی کی تعلیمات کو عام کرنے اٹھے ہیں جو ان کی تعلیمات سے ہمدردی رکھتا ہو وہ ہمارے ساتھ آجائے۔

لیکن یہ کتنا بڑا فریب ہے کہ مقصد تو یہ ہے اور مسلمانوں کے سامنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم خدا اور رسول کا دین پھیلانے لگتے ہیں۔ جس جماعت کے تبلیغی نقل و حرکت کی ابتداء ہی جھوٹ سے ہوتی ہو سمجھ لیجئے کہ اس کی انتہا کس چیز پر ہوگی۔ جو میرِ کارواں پہلے ہی قدم پر دھوکہ دے گیا اس سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک اپنے قافلے کو پہنچا دے گا۔

اب اسی سلسلے کی ایک دوسری عبارت اور ملاحظہ فرمائیے۔ ملفوظات کے مرتب لکھتے ہیں:

"(مولانا الیاس نے فرمایا کہ) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی ترقیٔ درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت کی رُوح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیمات حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔" ملفوظات ص ۶۷۔

عبارت کی سطر سطر چیخ رہی ہے کہ تبلیغی جماعت کی جد و جہد کا مرکزی نقطہ خدا اور رسول

کی خوشنودی کا حصول نہیں بلکہ تھانوی صاحب کی رُوح کی خوشنودی ہے۔ پھر بات وہیں آگئی کہ تھانوی صاحب کی تعلیمات و ہدایات کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کون کرے گا ـــــــ تبلیغی جماعت!

اب میوات کے تبلیغی کارکنوں کے نام مولانا الیاس کے گشتی مراسلے کا ایک حصہ ملاحظہ فرمایئے۔ انھیں اپنے مقصد تبلیغ کی ترغیب دیتے ہُوئے موصوف لکھتے ہیں:

"حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے منتفع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی محبت ہو اور ان کے آدمیوں سے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے منتفع ہوا جائے۔ ان کی کتابوں سے علم آئے گا اور ان کے آدمیوں سے عمل"۔ ـ مکاتیب الیاس ص ۱۳۸۔

مذکورہ بالا عبارتوں کے ذریعہ تھانوی صاحب اور تبلیغی جماعت کے درمیان منعقد ہونیوالے مقصدی رشتے پر کافی روشنی پڑ گئی۔ اب جہاں تک تھانوی صاحب کی تعلیمات کو پھیلانے اور ان کی کتابوں سے منتفع ہونے کے لیے کسی تحریک کے چلانے کا سوال ہے، اس کی ہلاکت خیزی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک کہ مولانا تھانوی کی تعلیمات اور اُن کی کتابوں کا غیر جانب داری کے ساتھ جائزہ نہ لیا جائے۔

اگر فی الواقعہ ان کی تعلیمات اور ان کی کتابوں سے اُمّت کے رشتۂ اتحاد اور ایمان کی سلامتی کو کسی طرح کا صدمہ پہنچتا ہے تو بلاشُبہ اُمّت مسلمہ کے حق میں تبلیغی جماعت کی یہ کوشش ایک قاتلانہ حملے سے کم نہیں ہے۔

تھانوی صاحب کی تعلیمات کے چند نمونے

اب ذیل میں تھانوی صاحب کی تعلیمات و ہدایات کے چند نمونے پیش کرتا ہوں تاکہ آپ تبلیغی جماعت کی دینی مضرتوں کا صحیح طور پر اندازہ لگا سکیں۔

پہلا نمونہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رُکن مولانا احمد سعید اکبر آبادی اپنے

ماہنامہ "برہان" دہلی میں تھانوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

"اپنے معاملات میں تاویل و توجیہ اور اغماض و مسامحت (چشم پوشی) کرنے کی مولانا (تھانوی) میں جو خُو تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ ہر چند کلمۂ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار ہوتا یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے بعد اشرف علی رسول اللہ منہ سے نکل جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمۂ کفر ہے۔ شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے۔ تم فوراً توبہ کرو اور استغفار کرو۔ لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے غایت محبت ہے یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔" "برہان" فروری ۱۹۵۲ء ص ۱۰۷۔

اس واقعہ پر گھر ہی کے آشنا کا تبصرہ بہت کافی ہے اس لیے مزید کسی تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ البتہ اس واقعہ کے باقی حصّے کی تکمیل کے لیے اتنا بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بات خواب ہی پر ختم نہیں ہو گئی تھی بلکہ بیدار ہونے کے بعد بھی مرید کی زبان پر اُن کی نبوّت کا اقرار بدستور جاری رہا۔

جیسا کہ تھانوی صاحب کے نام اپنے ایک لکھے ہوئے خط میں مرید نے خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ خواب کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی اور وہ اثر ناطاقتی بھی بدستور تھا لیکن حالت خواب اور بیداری میں حضور کا ہی خیال تھا لیکن حالتِ بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دُور کیا جائے۔ بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی کہتا ہوں اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا و نبینا و مولانا اشرف علی۔ حالانکہ اب بیدار ہوں خواب

نہیں لیکن بے اختیار ہُوں، مجبور ہُوں، زبان اپنے قابو میں نہیں۔ ؛۔ رسالہ الامداد مطبوعہ تھانہ بھون بابت شوال ۱۳۳۵ھ ص ۳۴۔

کمبخت وُہ زبان بھی کتنی شاطر و عیار ہے جو اپنے مرشد کو کلمۂ تنقیص کہنے کے لیے تو بے قابو نہیں ہوتی لیکن اس کی نبوت کا اقرار کرنے کے لیے بے قابو ہوجاتی ہے۔ یہ عذر لنگ اگر قبول کر لیا جائے تو دنیا سے بالکل امان ہی اُٹھ جائے۔ بڑے سے بڑا دشنام طراز بھی یہ کہہ کر نکل جائے کہ کیا کروں، بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں۔

اور اس واقعہ کا سب سے عبرتناک تماشا تو یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ "پیرِ مغاں" اس صریح کلمۂ کفر پر اپنے مرید کو سرزنش فرماتے، یہ حوصلہ افزا جواب لکھ بھیجتے ہیں:۔

"اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہٖ تعالےٰ متبع سنّت ہے۔ ؛" الامداد ص ۳۴۔

جس نشاط طبع کے ساتھ ایک کفر صریح کی تحسین فرمائی گئی ہے مریدین و معتقدین کے لیے اس جواب میں کتنے خاموش اشارے چُھپے ہُوئے ہیں اس کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ مان لیا مرید کی زبان بے قابو ہو گئی تھی لیکن پیرِ مغاں کا قلم تو اختیار میں تھا۔ انھوں نے ہوش میں رہتے ہُوئے ایک کلمۂ کفر کی تائید کیوں فرمائی۔ اس لیے کہنا پڑتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی بے اختیار نہیں تھا۔ یہ واقعہ دونوں ہی کے سمجھے بُوجھے اختیار سے وجود میں آیا تھا۔

اب آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ اسی طرح کی کفر نواز تعلیمات کو تبلیغی جماعت نے مسلمانوں میں پھیلایا تو کیا حشر ہوگا، ان کے ایمان و اسلام کا۔ لیکن حیرت ہے کہ اتنی کھُلی ہوئی گمراہی کے بعد بھی تبلیغی جماعت کو اصرار ہے کہ وُہ تھانوی صاحب کی اِن تعلیمات کو مسلمانوں میں عام کرے گی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ دین کی سلامتی کے خلاف ایک خطرناک اقدام کیوں کرنے جا رہی ہے۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تھانوی صاحب کا کلمہ پڑھوانا چاہتی ہے لیکن اُس کی تبلیغی جد و جہد میں ایک نئے قادیان کے آثار صاف نظر آ رہے ہیں۔

دُوسرا نمونہ مولانا سعید اکبر آبادی نے تھانوی صاحب کی جس سرشت کی طرف اپنے ماہنامہ بُرہان میں واضح طور پر اشارہ کیا ہے۔ اب اس کا اعتراف خود تھانوی صاحب کی زبانی سُنیئے۔

ان کے ملفوظات کے مرتب خواجہ عزیز الحسن لکھتے ہیں:

"حضرت (تھانوی) نے احقر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھیے! میرا مادۂ تاریخی (تاریخی نام) "مکر عظیم" ٹھیک ہے یا نہیں؛ میں آخر شیخ زادہ ہوں شیخ زادے بڑے فطرتی ہوتے ہیں مجھے بھی فطرتیں بہت آتی ہیں"۔ حسن العزیز ج ۱ ص ۱۳

کسی مکار اور فطرتی آدمی کی تعلیمات اور اس کی زندگی کی "برکات" سے مسلمانوں کو کس قسم کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور کہوں گا کہ مکر، انسان کا سب سے شرمناک عیب ہے لیکن تھانوی صاحب نہایت فخر کے ساتھ اپنے اس فن کا اعتراف کرتے ہیں۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ تبلیغی جماعت نے اسی طرح کی شرمناک تعلیمات کو مسلمانوں کے درمیان پھیلایا تو کیا حال ہوگا مسلم معاشرہ کا— جو کچھ بھی طہارت نفس کے آثار آج اِدھر اُدھر بکھرے نظر آتے ہیں وہ بھی تباہ ہو کے رہ جائیں گے۔

لگے ہاتھوں تھانوی صاحب کی تعلیمات کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمایئے:

ان کے ملفوظات کا مرتب لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ تھانوی صاحب کسی شخص سے ناراض ہو گئے اور اپنے لوگوں کو حکم دے دیا کہ اس سے سلام و کلام بند کر دیں۔ جب اس نے آن کر معافی مانگی تو حکم صادر ہوا کہ ہر روز بعد نماز مغرب "یہ اعلان کرو تب جا کے تمہاری خطا معاف ہو گی۔ اب دل پر ہاتھ رکھ کر ذرا اس شرمناک اعلان کے وہ الفاظ پڑھیے جو اس غریب کی زبان سے کہلوائے گئے:

"صاحبو! چونکہ میں فلاں قوم کا ہوں اس لیے کم حوصلگی کے سبب اپنے مربّی (تھانوی صاحب) کی عنایتوں پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگا جس کی سزا میں

گرفتار ہوں۔"۔ کمالات اشرفیہ۔ ص ۱۶۹

کسی قصور وار سے اپنی تقصیر کا اعتراف کرانا قطعاً کوئی جُرم نہیں ہے، لیکن یہ کہلوانا کہ میں فلاں قوم کا ہُوں اس لیے مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی ہے۔ پوری قوم کی تذلیل کرنا ہے۔

یہی وہ جاہلیت ہے جسے اسلام نے کچل کر رکھ دیا تھا لیکن تھانوی صاحب کی تعلیمات کے ذریعہ تبلیغی جماعت اُسی مُردہ جاہلیت کو مسلمانوں میں دوبارہ زندہ کرنا چاہتی ہے۔

اب اخیر میں تھانوی صاحب کی تعلیمات کا ایک اور نہایت شاندار نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے ملفوظات کا مرتّب ان کا یہ مُنہ بولا بیان نقل کرتا ہے:

"فرمایا کہ میں دعوت اور ہدیہ میں حرام وحلال کو زیادہ نہیں دیکھتا کیوں کہ میں متقی نہیں ہوں۔"۔ کمالات اشرفیہ ص ۴۰۶۔

اسی طرح کی تعلیمات اگر تبلیغی جماعت مسلمانوں میں پھیلانا چاہتی ہے تو خدا ہی حافظ ہے اس قوم کا، اس کے اخلاقی احساسات اور اس کے کردار کی راست بازی کا کسی طرح کی روحانی ترقی تو کیا خاک ہوگی کہ ان گمراہ کن تعلیمات کے نتیجے میں اخلاق و تقویٰ کا بچا کھچا سرمایہ بھی غارت ہو کے رہ جائے گا۔

تیسرا نمونہ تھانوی صاحب اور تمام دیو بندی علماء کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حالتِ نماز میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کا خیال لانا گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بُرا ہے۔ حضور کا خیال آتے ہی نماز فاسد ہو جائے گی اور نمازی بھی فعل شرک کا مرتکب قرار پائیگا۔ اپنے اس عقیدہ کی تائید میں ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ حضور کا خیال تعظیم کے ساتھ آئیگا اس لیے حالتِ نماز میں غیر خدا کا خیال شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا۔ حوالہ کے لیے دیکھیے دیوبندی مذہب کی مستند کتاب "صراطِ مستقیم" کے صفحہ ۸۰، کی عبارت جو بہت مشہور و معروف ہے۔

یہ عقیدہ تو ان حضرات کا سرکار کونین صلی اللہ علیہ وسلّم کے تصوّر وخیال کے بارے میں ہے، لیکن خود اپنے تصوّر کے بارے میں تھانوی صاحب کی کیا ہدایت ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مجھے یقین ہے کہ دیر تک آپ پر ایک سکتے کی کیفیت طاری رہے گی۔

مولوی عبد الماجد دریابادی جو تھانوی صاحب کے خلیفۂ خاص ہیں انھوں نے موصوف کو

ایک خط لکھا کہ :

"نماز میں جی نہ لگنے کا مرض بہت پرانا ہے لیکن کبھی یہ تجربہ ہُوا کہ عین حالتِ نماز میں جب کبھی بجائے اپنے جناب (والا) کو یا ..... کو فرض کر لیا تو اتنی دیر تک نماز میں دل لگ گیا لیکن مصیبت یہ ہے کہ خود یہ تصوّر بھی عرصہ تک قائم نہیں رہتا بہر حال اگر یہ عمل محمود ہو تو تصویب فرمائی جائے ورنہ آئندہ احتیاط رکھوں گا"۔ حکیم الاُمت ص ۴۵۔

یہاں تک تو مولوی عبد الماجد صاحب کی خود اپنی عرضداشت تھی اب حیرت میں ڈوب کر تھانوی صاحب کا جواب سنیئے :

فرمایا "محمود ہے جبکہ دوسروں کو اطلاع نہ ہو"۔ (حکیم الامت ص ۴۵) اب آپ ہی جذبۂ انصاف کو شریکِ حال بنا کر کہیے کہ ذہن و اعتقاد کے اس "دو رخے پن" کو "رسول دشمنی" اور "شیخ پرستی" کی تعلیم کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ۔؟

اور "دوسروں کو اطلاع نہ ہو" والی بات تو اتنی سنسنی خیز ہے کہ اس ایک ہی جملے سے مذہبی دیانت کا سارا حال آشکارا ہو جاتا ہے۔ یہیں سے دل کی یہ چوری صاف پکڑی جا سکتی ہے کہ باہر تو توحید کے علمبردار بنے پھریئے اور گھر میں اپنی پرستش کرائیے۔

اب خوفِ الٰہی کو درمیان میں ڈال کر ہر خدا ترس مسلمان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسی طرح کی "رسول دشمن" اور "مشرکانہ تعلیمات" مسلمانوں میں پھیلائی گئیں تو آپ ہی بتائیے کہ آخرت کی تباہی کے سوا مسلمانوں کے حصّے میں اور کیا چیز آئے گی؟

ایک اہم سوال

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ جب تبلیغی جماعت کے عقیدے میں بحالتِ نماز سرکارِ کونین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خیال لانا شرک ہے تو وہ نماز کی تبلیغ سے کس طرح عہدہ برآ ہوگی؟ کیونکہ نماز میں اَلتَّحِیَّات کا پڑھنا واجب اور اُسے پڑھتے وقت جب نمازی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہے گا تو ظاہر ہے کہ نبی کا خیال ضرور آئے گا۔ اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو تعظیم کے ساتھ آئے گا یا تحقیر کے ساتھ۔

اگر تعظیم کے ساتھ آیا تو دیوبندی مذہب پر شرک ہو گیا اور توہین کے ساتھ آیا تو نبی کی توہین متفقہ طور پر کفر ہے۔

اب اس مشکل سے بچنے کے لیے دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو نماز میں یک لخت التحیات چھوڑ دی جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کا پڑھنا واجب ہے اور واجب کے ترک سے نماز ہی نہیں پوری ہوتی۔ اب دوسری صورت یہ ہے کہ التحیات تو پڑھی جائے لیکن حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہی دل میں نہ لایا جائے مگر پھر مشکل یہ ہے کہ اس سلسلے میں امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نمازیوں کو متنبہ کرتا ہے احضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقل السلام علیك یعنی پہلے اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ گر تصور کرو تب کہو السلام علیك ایھا النبی۔ غرض کسی صورت میں بھی تبلیغی جماعت والوں کے لیے نماز کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے اس عقیدے سے تائب ہو جائیں جیسے صراطِ مستقیم کے حوالہ سے میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔

اور جب تبلیغی جماعت والوں کے لیے خود اپنی نماز کی ادائیگی سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے تو وہ دوسروں کو نماز کی کیا تلقین کر سکتے ہیں؟

چوتھا نمونہ

کہتے ہیں کہ تھانوی صاحب سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی خوشی میں لونڈی آزاد کرنے پر جب ابولہب جیسے نامزد کافر کو آخرت میں صلہ ملا تو مسلمان اگر اپنے سرکار نامدار کی ولادت پاک کی خوشی منائیں تو انھیں کوئی اجر و ثواب ملے گا یا نہیں؟

تھانوی صاحب نے اس کا جواب مرحمت فرمایا۔

"ہماری یہ خوشی جائز ہوتی اگر دلائل شرعیہ منکرات کو منع نہ کرتے اور ظاہر ہے کہ مباح و غیر مباح کا مجموعہ غیر مباح ہوتا ہے"۔ کمالات اشرفیہ ص ۴۴۴

مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ پر خوشی کا اظہار ناجائز ہے اور جب ناجائز ہے تو ظاہر ہے کہ آخرت میں اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

یہ نور ہا خدا کے محبوب پیغمبر کے بارے میں تھانوی صاحب کا فتویٰ! اب خود اپنے بارے میں ان کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

کتاب "اشرف السوانح" کے مصنف خواجہ عزیز الحسن نے، جو تھانوی صاحب کے نہایت چہیتے مرید تھے، اپنے متعلق لکھا ہے کہ ایک بار میں نے شرماتے لجاتے حضرت سے عرض کیا کہ: "میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں۔ اس اظہارِ محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہو کر بے اختیار ہنسنے لگے اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔ یہ آپ کی محبت ہے، ثواب ملے گا ثواب ملے گا۔" :۔ اشرف السوانح ج ۲ ص ۸۲۔

دیکھ رہے ہیں آپ! تھانوی صاحب کی خود بینی اور خود پرستی کا یہ تماشا!

جشنِ عید میلاد النبی منا کر اگر مسلمان اپنے محبوب پیغمبر کے ساتھ اظہارِ محبت کریں تو ان کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ لیکن تھانوی صاحب کے مرید ان کی منکوحہ بننے کی تمنا کر کے ان سے اظہارِ محبت کریں تو اس بیہودہ خیال پر بھی انھیں "ثواب ملے گا، ثواب ملے گا۔"

واللہ! انتہا ہو گئی رسول دشمنی کی بھی! تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کا دل اپنے نبی کی طرف سے اتنا بھی سیاہ ہو سکتا ہے۔

اب آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ اسی طرح کی "رسول دشمن" تعلیم کو اگر تبلیغی جماعت نے مسلمانوں میں پھیلایا تو نمازی بن جانے کے بعد بھی نجات کے لیے ان کے پاس کیا رہ جائے گا؟

آدمی بے عمل رہے اس کی تلافی ہو سکتی ہے لیکن اپنے نبی کی طرف سے تنگ دل ہو جائے اس کی تلافی کسی نیکی سے نہیں ہو سکتی۔

پانچواں نمونہ اب مسلمانوں کے معاشرتی، روایاتی اور اجتماعی نظامِ زندگی سے متعلق تھانوی صاحب کی تعلیمات و ہدایات کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

مردوں کو ہدایت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عقیقہ و ختنہ و بسم اللہ کے مکتب میں جمع ہونا یہ سب ترک کر دو، نہ اپنے گھر کرو

نہ دوسرے کے یہاں شریک ہو۔

غمی میں تیجا، دسواں، چالیسواں وغیرہ، شب برات کا حلوہ یا محرم کا تہوار خود کرو نہ دوسرے کے یہاں جا کر ان کاموں میں شریک ہو"۔ قصد السبیل ص ۲۵

اب عورتوں کے نام موصوف کا ہدایت نامہ پڑھیے، لکھتے ہیں:

"فاتحہ و نیاز ولیوں کی مت کرو۔ بزرگوں کی منت مت مانو۔ شب برات کا حلوہ، محرم، عرفہ، تبارک کی روٹی کچھ مت کرو"۔ قصد السبیل ص ۲۶۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"کہیں بیاہ شادی، مونڈن، چلہ، چھٹی، عقیقہ، منگنی، چوتھی وغیرہ میں مت جاؤ نہ اپنے یہاں کسی کو بلاؤ۔ بہشتی زیور ایک کتاب ہے اس کو یا تو پڑھ لو یا سن لیا کرو اور اس پر چلا کرو"۔ قصد السبیل ص ۲۶۔

اب اُن امور کی فہرست ملاحظہ فرمایئے جنھیں تھانوی صاحب سے تعلق قائم کرنے اور اُن کی "برکات" سے استفادہ کرنے کے لیے چھوڑنا پڑے گا۔ لکھتے ہیں:

"مردہ کا تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں کرنا، عرس میں جانا، بزرگوں کی منت ماننا، فاتحہ، نیاز، گیارھویں وغیرہ متعارف طور پر کرنا، رواج کے موافق مولود شریف کرنا، تبرکات کی زیارت کے لیے عرس کا سا انتظام کرنا، شب برات کا حلوہ پکانا، رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر شیرینی ضرور کر کے بانٹنا"۔ قصد السبیل ص ۳۱

قسم ہے آپ کو غیرت حق کی! یہاں چند لمحے کے لیے رُک جایئے اور ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر سوچیے کہ تھانوی صاحب کی ان جملہ تعلیمات و ہدایات پر عمل درآمد کے بعد مسلم معاشرہ کا کیا حال ہوگا؟ زندگی کی وہ تقریبات جو اجتماعیت کو چاہتی ہیں وہ کیوں کر وجود میں آسکیں گی۔ خاندانوں کے باہمی رشتے، قبیلوں کے آپس کے تعلقات کیوں کر بحال رہ سکیں گے جبکہ خوشی اور غمی کے موقع پر بھی کوئی کسی سے تعلق نہیں رکھے گا۔

پھر اسے بھی ہم مان لیتے، اگر اسلام کا بھی ہم سے یہی مطالبہ ہوتا لیکن جب خدا اور رسول نے ان امور سے ہمیں نہیں منع کیا ہے تو تھانوی صاحب کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہماری

معاشرتی روایات کو صرف اپنی افتادِ طبع کے بل پر تباہ کریں۔

اب تھانوی صاحب نے اپنی جس کتاب بہشتی زیور پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے، ذرا اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرمالیجیے —— اُن کاموں کی فہرست پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں جن کے کرنے سے اُن کے نزدیک ایک مسلمان، کافر و مشرک ہو جاتا ہے۔

کسی کو دُور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اُس کو خبر ہوگئی، کسی سے مرادیں مانگنا، کسی کے سامنے جُھکنا یا تصویر کی طرح کھڑا رہنا، سہرا باندھنا، علی بخش، حسین بخش، عبد النبی وغیرہ نام رکھنا، یُوں کہنا کہ خدا اور رسول اگر چاہے تو فلانا کام ہو جائیگا۔

:- بہشتی زیور حصّہ اوّل ص ۴۲۔ کفر و شرک کی باتوں کا بیان۔

غور فرمائیے! تھانوی صاحب کے یہ "ارشادات" اگر حق بجانب تسلیم کرلئے جائیں تو ہندو پاک کے بیس کروڑ مسلمانوں میں سے شاید ہی چند لاکھ افراد رہ جائیں گے جو مسلمان کہلانے کے مستحق ہوں ورنہ سارے کے سارے مسلمان یک لخت دائرۂ اسلام سے نکل جائیں گے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت مسلمانوں کو کلمہ پڑھا کر از سرِ نو مسلمان کرتی پھرتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ایک کلمہ گو کو کلمہ پڑھانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نتائج اب اس بحث کے خاتمے پر میں آپ کے ایمان و دیانت کے جذبے سے اپیل کرتا ہُوں کہ پچھلے صفحات میں تھانوی صاحب کی تعلیمات و ہدایات کے جو چند نمونے میں نے ان کی کتابوں کے حوالہ سے پیش کیے ہیں ان پر غیر جانب داری اور ہمدردی کے ساتھ غور فرمائیں۔

ان میں وہ باتیں بھی ہیں جن سے اہانتِ رسول کے جذبے کو شہ ملتی ہے اور تھانوی صاحب کے پیغمبرانہ منصب کی یقین دہانی کے لیے ذہن کی راہ کھلتی ہے اور ان کی تعلیمات کے بعض حصّے وُہ بھی ہیں جہاں سے اخلاق و تقویٰ کا مزاج پر عیاری اور نفسانیت پرستی کا رنگ چڑھتا ہے اور پھر ان کی تعلیمات کا وُہ حصّہ تو بہت واضح ہے جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی

معاشرت اور مذہبی روایات کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی مسلمان، مسلمان ہی نہیں رہ جاتا۔

اب ان حالات میں آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ تبلیغی جماعت مسلمانوں میں اس طرح کی مخدوش اور گمراہ کن تعلیمات پھیلا کر سوا اس کے اور کیا نتائج برپا کرے گی کہ گھر گھر مسلمانوں میں عقیدہ وخیال کے اختلافات کی جنگ شروع ہو اور ان کی روایاتی اجتماعی اور مذہبی زندگی کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے انھیں دنیا و آخرت کی ذلتوں اور نامرادیوں سے ہمکنار کر دیا جائے اور اتنا ہی نہیں بلکہ انھیں پیغمبروں کی جناب میں اتنا گستاخ اور تنگ نظر بنا دیا جائے کہ نجات کی آخری اُمید بھی باقی نہ رہ جائے۔

اتنی تفصیلات کے بعد اب یہ بتانے کی ضرورت باقی نہیں ہے کہ جس جماعت کے فکری اور علمی مواد اس درجہ مہلک اور زہریلے ہوں اُس جماعت کے ساتھ اشتراک و تعاون کا کوئی رشتہ کسی طرح قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ ایک فرد کا نقصان ہو تو اسے برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن پوری ملّت کی روحانی آسائش کا خطرہ کبھی برداشت نہیں کیا جائے گا۔

میرے اس اندیشے کے امر واقعہ ہونے میں کسی کو شک ہو تو غیر جانب داری کے ساتھ وہ ان حلقوں کا جائزہ لے جہاں تبلیغی جماعت کے "مبارک قدم" پہنچ گئے ہیں اور ایسے مقامات کی کمی نہیں ہے جہاں اس طرح کی تعلیمات کی بدولت فضاؤں میں اختلافِ خیال کی برہمی پھیلی ہوئی ہے اور منافرت کی آگ دن بدن تیز ہوتی جا رہی ہے۔

تبلیغی جماعت کا دوسرا محاذ

مولانا رشید احمد گنگوہی کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل

تبلیغی جماعت کے ایک محاذ کی سیر کر چکنے کے بعد اب دوسرے محاذ کی طرف چلیے!

پہلے مولانا الیاس کے تبلیغی خط کے کا بقیہ حصّہ پڑھ لیجیے تا کہ آپ کی نظر میں اُن کے

مقاصد کا نقشہ ادھورا نہ رہ جائے۔

موصوف اپنے پیر و مرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کی عظمت شان کا خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ؛

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے قطب ارشاد اور مجدد تھے اور مجدد کے لیے ضروری نہیں کہ سارا تجدیدی کام اسی کے ہاتھ پر ظاہر ہو بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اُسی کا ہے۔ ؛ ملفوظات الیاس ص ۱۲۳۔

کیا سمجھے آپ ؛ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اُن کے تجدیدی کام کا جو حصّہ باقی رہ گیا ہے وہ اب ہمارے ہاتھوں پورا ہوگا۔ اس لیے ان کے کام کے باقی ماندہ حصے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے خود گنگوہی صاحب کے تجدیدی کارناموں کا جائزہ لیا جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ بعد میں آنیوالا مجدد انہی کے قائم کیے ہوئے خطوط پر اپنے کام کا نقشہ مرتب کرے گا۔ لہٰذا ذیل میں گنگوہی صاحب کے تجدیدی کارناموں کے چند نمونے ملاحظہ فرمایئے ؛

پہلا کارنامہ چودہ سو برس سے ساری امت کا یہ متفقہ عقیدہ رہا ہے کہ خدائے پاک نے قرآن میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین کے لقب سے جو موصوف کیا ہے وہ انہی کے ساتھ خاص ہے۔ اب کائنات میں کوئی دوسرا رحمۃ للعلمین نہیں ہو سکتا۔

لیکن گنگوہی صاحب کا کہنا ہے کہ رحمۃ للعلمین کا وصف حضور کے ساتھ خاص نہیں ہے دوسرے بھی رحمۃ للعلمین ہو سکتے ہیں۔

اب یہ نئی دریافت انہی کے الفاظ میں سنیے ؛

کسی نے ان سے سوال کیا کہ — لفظ رحمۃ للعلمین مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں ؟

جواب ارشاد فرمایا ؛

"لفظ 'رحمۃ للعلمین' صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔"

فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۹

اور حیرت میں ڈوب کر اب یہ سنسنی خیز خبر پڑھیے کہ گنگوہی صاحب کا یہ جواب، جواب ہی کی حد تک نہیں رہا بلکہ انہوں نے اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا ہے۔

جیسا کہ "اشرف السوانح" کا مصنف تھانوی صاحب کے متعلق لکھتا ہے۔ دل کی ایک دردناک ٹیس کے ساتھ لرزہ خیز کہانی سنیے:

"حضرت والا (تھانوی صاحب) کی سراپا رحمت شخصیت پر بلا مبالغہ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا وہ لقب صادق آتا ہے جس سے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ العزیز نے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز (یعنی اپنے پیر و مرشد) کو بعدِ وفات حضرت حاجی صاحب ممدوح، یاد فرمایا تھا۔ یعنی بار بار فرماتے تھے ہائے رحمۃٌ للعلمین! ہائے رحمۃٌ للعلمین!" - (اشرف السوانح ج ۳ صفحہ ۱۵۳)

معاذ اللہ! سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وصفِ خاص میں ذرا پے بہ پے یہ اشتراک کے دعوے ملاحظہ فرمائیے!

پہلے تو گنگوہی صاحب نے اپنے پیر کو رحمۃٌ للعلمین، رحمۃٌ للعلمین کہہ کر پکارا اور اب اشرف السوانح کا مصنف خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ رحمۃ للعلمین کا لقب تھانوی صاحب پر بھی بلا مبالغہ صادق آتا ہے ـــ اور غضب تو یہ ہے کہ ظالم اس لفظ کے اطلاق میں مبالغہ بھی تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ واقعۃً تھانوی صاحب رحمۃٌ للعلمین ہیں اور پھر ذرا بارگاہ خداوندی میں یہ ملعون جسارت بھی ملاحظہ فرمائیے کہ حبیبِ خدا کی بے حرمتی اور ان کے ساتھ تھانوی کی ہمسری پر خدا کو گواہ بھی بنا رہا ہے۔

خدا کی پناہ! حبیبِ خدا کی شانِ یکتائی پر اس سے زیادہ سنگین حملہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس مقام پر اس سے زیادہ ہمیں اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ رسول عربی کی وفادار امت ذرا بھی عشق و ایمان کی غیرت رکھتی ہو تو وہ اپنے آقا کی حرمتوں کے خلاف تبلیغی جماعت کے ان شرمناک منصوبوں کو خاک میں ملا دے۔ تبلیغی جماعت اپنی سرگرمیوں کے ذریعہ اگر اسی طرح کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل کرنا چاہتی ہے تو اسے خبردار ہو جانا چاہیے کہ آج بھی رسول عربی کے دیوانے اپنی جان کا مصرف خوب جانتے ہیں۔ جیتے جی وہ دنیا میں کوئی دوسرا رحمۃٌ للعلمین

نہیں بننے دیں گے۔

دوسرا کارنامہ

چودہ سو برس سے اہل اسلام کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ جو بدبخت کسی صحابیٔ رسول کو کافر کہے وہ قطعاً اسلام سے خارج ہے لیکن گنگوہی صاحب کا کہنا ہے۔ اسلام سے خارج ہونا تو بڑی بات ہے۔ وہ سنّت جماعت سے بھی خارج نہ ہوگا۔

اب اُنہی کے الفاظ میں اُن کا یہ تجدیدی کارنامہ ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

"جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرلے (کسی صحابی کو معاذ اللہ کافر کہے) وہ ملعون ہے۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا"۔ فتاوی رشیدیہ ج ۲ ص ۱۴۱

"وہ ملعون ہے اور ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے۔" ان جملوں سے دھوکہ نہ کھائیے گا۔ کیونکہ ملعون تو قرآن کی زبان میں ایک جھوٹا آدمی بھی ہے اور اسے بھی امام مسجد بنانا جائز نہیں، حالانکہ اس کے باوجود اس کے مسلمان ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دراصل کلیجہ پھٹ جانے کی بات یہ ہے کہ سرکار مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان کسی کو کافر کہے تو اگر واقعۃً وہ کافر ہے جب تو کہنے والے پر کوئی الزام نہیں ورنہ کفر کا فتوی خود کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

ایسی صورت میں صحابہ کرام کو کافر کہنے والا بھی اگر اسلام وسنت سے خارج نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ معاذ اللہ اس کی یہ تکفیر صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے۔ کیونکہ اگر اس کی تکفیر صحیح نہ ہوتی تو فرمان نبوّت کے مطابق اپنی تکفیر کا نشانہ اُسے خود بننا چاہیے تھا۔

اب آپ ہی انصاف سے کہئے کہ گنگوہی صاحب کا یہ سیاہ کارنامہ ایک حق پرست مسلمان کو لرزا دینے کے لیے کافی ہے یا نہیں؟ کون بدنصیب مسلمان ہے جو ایمان کی غیرت رکھتے ہوئے صحابۂ کرام کے اسلام پر اس ناپاک حملے کو برداشت کرسکے گا۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب ان حضرات کے نزدیک صحابہ کرام کو کافر کہنے والا بھی سنّت جماعت سے خارج نہیں ہے تو یہیں سے دیکھ لیجئے کہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو کبھی کبھار "سُنّی" کہہ دیا کرتے ہیں تو یہ کس قماش کے سُنّی ہیں۔

پس فیصلہ کیجئے کہ تبلیغی جماعت اس طرح کے دل آزار کارناموں کی تکمیل کر کے سوا اسکے اور کیا چاہتی ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی آسائش سے زخمیوں کی طرح چھیڑ کی جائے اور ان کے دینی جذبات کو اتنا گھائل کر دیا جائے کہ وہ ہر وقت دہکتے ہوئے انگاروں پر لوٹتے رہیں۔

تیسرا نمونہ ایک ہزار چار سو برس سے اہل اسلام کا یہ متفقہ عقیدہ رہا ہے کہ سرکارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر ہیں اور انہی کے اتباع پر بنی نوع انسان کی ہدایت و نجات موقوف ہے لیکن مولانا گنگوہی کا دعویٰ ہے کہ اس زمانے میں ہدایت و نجات میرے اتباع پر موقوف ہے — اب یہ نیا دعویٰ خود انہی کے الفاظ میں سنیے:

اُن کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ بارہا آپ کو اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ

"سُن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر"۔ تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۷۔

پاسداری کے جذبے سے الگ ہو کر صرف ایک لمحے کے لیے سوچیے!

یہ دعویٰ کہ "اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر" کیا کسی طرح بھی پیغمبری کے دعوے سے کم ہے؟ کیونکہ کسی کے اتباع پر نجات موقوف ہو۔ یہ نشانی صرف پیغمبر ہی کی ہو سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس دعوے کا حاصل یہ ہے کہ حصولِ نجات کے لیے معاذ اللہ اب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب نجات کا دارومدار "نئے ہادی" کے اتباع پر ہے۔

یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ نائب رسول ہونے کی حیثیت سے علماء کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اتباع رسول کی دعوت دیں۔ خود اپنے اتباع کی دعوت دینا قطعاً اُن کا منصب نہیں ہے لیکن گنگوہی صاحب کے اس دعوے سے صاف عیاں ہے کہ وہ ایک اُمتی کے منصب پر قانع نہیں ہیں، پیغمبر کی جگہ لینا چاہتے ہیں۔

اس مقام پر میرے جذبات کے تلاطم کا عجیب حال ہے۔ سوچتا ہوں تو شدتِ کرب سے آنکھوں میں خون تیرنے لگتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن

اسے کیا کہئے گا کہ تبلیغی جماعت کے مولانا الیاس سے لے کر تھانوی صاحب اور گنگوہی صاحب تک سب نے یکساں طور پر منصب نبوت کی طرف پیش قدمی کی ہے۔ ایک کی بات ہوتی تو تینوں کی کوئی صفائی پیش کی جاسکتی تھی لیکن ایک ہی جماعت کے تین پیشواؤں کے مشترک اقدامات کی کیا تاویل ہوسکتی ہے جبکہ کھلی آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان میں سے جو اٹھتا ہے وہ خدمت ضرور انجام دیتا ہے۔

ایک طرف پیغمبر کو اُمتی کی سطح پر لانا چاہتا ہے اور دوسری طرف اپنے آپ کو پیغمبر کی سطح پر لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ دیجئے کہ تبلیغی جماعت اسی طرح کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل کرنا چاہتی ہے تو ہندوستان میں ایک ہی قادیان کا فتنہ کیا کم ہے کہ ایک نئے فتنے کو دُودھ پلا کر جوان کیا جائے۔

چوتھا نمونہ

اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو ہندو پاک میں ایسے مسلمانوں کی نوّے فیصدی اکثریت ہے جو عرس و فاتحہ اور مزارات اولیاء سے متعلق خانقاہی روایات پر کھُلے دل سے عقیدہ رکھتے ہیں۔

سارا عالم اسلام ایسے مسلمانوں کو مسلمان ہی سمجھتا ہے بلکہ ان کے ساتھ اسلام کے معاشرتی، اجتماعی اور مذہبی تعلقات بھی صدیوں سے قائم ہیں لیکن مولانا گنگوہی کا اصرار ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کسی طرح کا اسلامی تعلق رکھنا جائز نہیں ہے۔ رشتۂ مناکحت سے لے کر سلام، کلام، تجہیز و تکفین اور ہمدردی و بیمار پُرسی تک سب یک لخت ترک کر دینا چاہئے۔

اب ان کا یہ تجدیدی کارنامہ خود اُنہی کے الفاظ میں سُنیئے:

کسی نے اُن سے سوال کیا:

"اگر کوئی شخص قبروں پر چادریں چڑھاتا ہو اور مدد بزرگوں سے مانگتا ہو یا بدعتی مثل جواز عرس رسوم وغیرہ ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ افعال اچھے ہیں تو ایسے شخص سے عقد نکاح جائز ہے یا نہیں؟"

جواب ارشاد فرمایا:

"جو شخص ایسے افعال کرتا ہے وُہ قطعاً فاسق ہے اور احتمال کفر کا ہے ایسے سے نکاح کرنا دختر مسلمہ کا اس واسطے ناجائز ہے کہ فساق سے ربط ضبط کرنا حرام ہے.... اور ایسے شخص سے ابتدائی سلام درست نہیں اور اگر فساد کا اندیشہ ہو تو کرے۔ اور عیادت (بیمار پرسی) اور جنازہ کے لیے بھی وہی حال ہے اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو کرلے ورنہ نہیں ہے"۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۴۳۔

گروہی جذبات کی سطح سے بالاتر ہو کر صرف حقائق کی بنیاد پر فیصلہ کیجئے کہ تبلیغی جماعت کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں باہمی منافرت کا یہ زہر پھیلایا گیا تو کیا حال ہوگا آج کے بکھرے ہوئے مسلمانوں کا۔ یُوں ہی ان کا باہمی فاصلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس تنظیم تحریک کے بعد ایک دُوسرے کے درمیان حائل ہونے والی دیواروں کو کون توڑ سکے گا۔

پانچواں کارنامہ

اب مسلمانوں کی روایاتی، معاشرتی اور اجتماعی زندگی پر اپنی تجدیدی کارگزاریوں کے ذریعہ گنگوہی صاحب نے جو قیامت ڈھائی ہے ذرا اس کی بھی ایک فہرست ملاحظہ فرمالیں:

۱۔ لکھتے ہیں:

"محرم میں ذکر شہادت حسنین علیہما السّلام کرنا، اگرچہ بروایت صحیحہ ہو، سبیل لگانا، شربت پلانا، چندہ سبیل اور شربت میں دینا، یا دُودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے"۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۱

ذرا سوچیے! آج ہند و پاک میں وہ کون سی مسلم آبادی ہے جہاں محرم کے موقعہ پر تذکرہ شہادت کی مجلس نہیں منعقد ہوتی لیکن شہدائے کربلا کے ساتھ ذرا گنگوہی صاحب کی تنگ دلی ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اتنی بات کے بھی روادار نہیں ہیں کہ صحیح روایتوں کے ساتھ بھی ان کی مظلومی، جاں نثاری، حق پرستی اور دین پروری کے واقعات سے مسلمانوں کو باخبر کیا جا سکے۔

انصاف کیجئے کہ کیا کھُلے طور پر یہاں یزید کی حمایت اور جگر گوشۂ رسول کے ساتھ تعصّب و عناد کا جذبہ کارفرما نہیں ہے — ؟

۲ - اب دیوں کی سنگینی کا ایک تماشا اور ملاحظہ فرمائیے :

آل نبی کے نام کا شربت تو ان حضرات کے یہاں حرام ہے۔ لیکن آبادیوں میں پھرنے والا یہ آوارہ کوا تناول فرمانا یہ لوگ جائز ہی نہیں بلکہ فعلِ ثواب سمجھتے ہیں۔ گنگوہی صاحب کا یہ تجدیدی کارنامہ خود اُنہی کی زبانی سُنیے :

کسی نے ان سے سوال کیا :

"جس جگہ زاغ معروفہ (کوا) کو اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو بُرا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب؟"

جواب مرحمت فرمایا: "ثواب ہوگا"۔ فتاوٰی رشیدیہ ج ۲ ص ۱۳۰۔

ذرا سوچیے! کیا حال ہوگا اُس دن آبادیوں کی رونق کا جس دن تبلیغی جماعت کے لوگ اپنی چلائی ہوئی مہم میں اس فعلِ ثواب کو بھی شامل کر لیں گے۔ اب ذخیرۂ ثواب کے لیے ان حضرات کو اس سے بہتر نسخہ اور کہاں مل سکتا ہے؟ ہم شوربا و ہم ثواب؟

۳ - اب گنگوہی صاحب کی ایک نئی دریافت اور ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ منی آرڈر کے ذریعہ روپیہ بھیجنا سُود میں داخل ہے۔ اُنہی کے الفاظ میں ان کا یہ تجدیدی کارنامہ ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں :

بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست اور داخل ربوا (سود) ہے۔ فتاوٰی رشیدیہ ج ۲ ص ۱۲۹۔

اب اس "گرانقدر فتوے" کی روشنی میں ذرا حساب لگا کر بتائیے کہ ہند و پاک میں کتنے مسلمان ہوں گے جو سود کے اس گناہ کبیرہ سے محفوظ رہ گئے ہوں گے۔ پھر یہیں سے ایک نیا سوال یہ بھی کھڑا ہو گیا کہ اگر واقعتہً اسے سُود قرار دے دیا جائے تو مسلمانوں کی معاشی زندگی کی دشواریوں کا حل کیا ہوگا ؟

پس یہیں کہنے دیا جائے کہ تبلیغی جماعت اس طرح کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں چاہتی کہ مذہبی زندگی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی معاشی زندگی بھی

مفلوج ہوکر رہ جائے اور انھیں چند در چند مشکلات میں مبتلا کر کے ہمیشہ کے لیے تڑپتا ہوا چھوڑ دیا جائے۔

۴۔ اب ایک اور تجدیدی کارنامہ ملاحظہ فرمائیے :

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عیدین میں معانقہ کرنا اور بغلگیر ہونا کیسا ہے۔ ارشاد فرمایا : عیدین میں معانقہ کرنا بدعت ہے۔ :۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۵۴

احادیث میں ایک بدعتی کے لیے جہنم کی سزا وارد ہوئی ہے۔ اب مولانا کے اس فرمان کی روشنی میں تخمینہ لگائیے کہ بقرعید کے دن کتنے کروڑ مسلمان عیدگاہوں سے نکلتے نکلتے جہنم کے دروازے تک پہنچ جاتے ہوں گے۔ تبلیغی جماعت اگر یہی کارنامہ انجام دینے کے لیے اٹھی ہے تو "سبیل نار" (راہ جہنم) کی قیادت اُسے مبارک ہو۔

۵۔ اب اخیر میں علم و فن کا ایک اور کرشمہ ملاحظہ فرمائیے :

اسلامی شریعت نے مساجد کے احترام کا کس قدر اہتمام کیا ہے، وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن گنگوہی صاحب فرماتے ہیں کہ

مسجد میں چارپائی بچھانا مسافر اور مقیم دونوں کو درست ہے۔ :۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۸۹۔

ظاہر ہے کہ مقصود صرف چارپائی بچھانا نہیں بلکہ اس پر پاؤں پھیلا کر سونا بھی ہے۔ خدا خیر کرے کہ ابھی تک تو تبلیغی جماعت کے لوگ خورد و نوش اور شب گزاری ہی کے لیے مساجد کو استعمال کرتے ہیں لیکن جس دن مسجدوں میں چارپائیاں بچھنے لگیں گی اُس دن رہائشی مکانوں اور مسجدوں کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا۔ ؛

قبول و رد کا مرحلہ

تبلیغی جماعت کے اغراض و مقاصد کے بیان میں ایک مفصل بحث آپ کی نظر سے گزر چکی۔

تبلیغی جماعت آپ کو کس ماحول میں ڈھالنا چاہتی ہے؟ اس کی جدوجہد کا مرکزی نقطہ کیا ہے؟ کس قسم کے مقاصد اس کے پیش نظر ہیں، کن لوگوں کی تعلیمات و ہدایات وہ

پھیلانے اٹھی ہے۔ آپ کی فکر کا رشتہ کن لوگوں سے وہ مربوط کرنا چاہتی ہے؛ ان سارے سوالوں کے جوابات گزشتہ اوراق میں آپ کو دے دیئے گئے ہیں۔ اب آپ کو دو ٹوک فیصلہ کرنا ہے کہ تبلیغی جماعت کے ان اغراض و مقاصد سے آپ کس حد تک متفق ہیں۔ تعلیمات و ہدایات کے جو نمونے آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں کیا انہیں فروغ دینے کے لیے آپ اپنے دل کو راضی کر سکتے ہیں۔ اپنے جذبۂ ایمان کو ٹھیس پہنچائے بغیر کیا آپ ایک لمحہ کے لیے بھی اُس ماحول میں سانس لے سکتے ہیں جہاں کھلے بندوں انبیائے کرام کی تنقیص کر کے اپنی خود ساختہ عظمت پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہو۔؟

اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو اب تبلیغی جماعت سے کنارہ کشی کے بیچ ہمیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کے ضمیر کا فیصلہ خود بہت کافی ہے۔ البتہ اس مقام پر یہ نکتہ ضرور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ دُنیا میں کوئی بھی ایسی جماعت نہیں ہے جس میں برائیوں کے ساتھ اچھائیاں نہ ہوں لیکن پسند و ناپسند اور قبول و ردّ کا فیصلہ کرتے وقت سطحی اچھائیوں کو بنیادی برائیوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ عقیدے کا فساد ظاہر ہو جانے کے بعد عمل کی خوشنمائی قطعاً بے کشش ہو جاتی ہے۔

تبلیغی جماعت کی ہلاکت خیزیوں کو محسوس کرنے کے لیے اب بھی اگر ذہن کا کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو تو آگے بڑھئے اور تیسرے باب کا مطالعہ فرمایئے۔

باب ۳

دینی شقاوتوں کی ایک دردناک کہانی

مذہبی زندگی میں ایمان و اعتقاد کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکیم کا عام اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ ہر جگہ عمل صالح سے پہلے ایمان کی قید لگاتا ہے۔ قرآن کی نظر میں ایمان و اعتقاد کی سلامتی کے بغیر عمل کا وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

پھر عقائد ہی کے اختلاف کا یہ ثمرہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی وحدت مختلف فرقوں کے درمیان تقسیم ہو گئی ہے اور ہر فرقہ اپنے اپنے عقائد کے نشانات پر ایک دوسرے سے الگ الگ ہے۔

زمانۂ حال کے فرقوں میں "فرقہ وہابیہ" نے اسلام کی حرمت پر جو قیامت ڈھائی ہے اور جس بیدردی کے ساتھ اس فرقے نے چودہ سو برس کی دینی حقیقتوں کا چہرہ مسخ کیا ہے وہ تاریخ کا ایک نہایت المناک واقعہ ہے۔

ذہن پر بوجھ نہ ہو تو اس فرقے کے قیامت آشوب مظالم کی تاریخ کا کچھ حصہ دشمن کی زبانی نہیں" دوست" کی زبانی سنیے!

دوست کے حق میں دوست کا اعتراف

دیوبندی گروہ کے شیخ الاسلام مولوی حسین احمد صاحب نے اس فرقے اور اس کے بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق نہایت سنگین اور لرزہ خیز حالات تحریر فرمائے ہیں، لکھتے ہیں:

"محمد ابن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہل سنت و الجماعۃ سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت

شمار کرتا رہا۔ :۔ الشہاب الثاقب ص ۴۴۔

اُس کے بعد لکھتے ہیں :

محمد ابن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم اور تمام مسلمانانِ دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا اور ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔ :۔ الشہاب ص ۴۳۔

فرقہ وہابیہ کی کہانی شیخ دیوبند کی زبانی

اب ذیل میں انہی کے قلم سے فرقہ وہابیہ نجدیہ کے عقائد کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ کہیں کہیں فرطِ غضب میں ان کے قلم کا وہ تیور بھی ملاحظہ فرمائیں جسے لوگ "گالی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں :

۱۔ شانِ نبوت و حضرت رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذات سرورِ کائنات خیال کرتے ہیں اور نہایت تھوڑی سی فضیلت زمانۂ تبلیغ کی مانتے ہیں اور اپنی شقاوتِ قلبی اور ضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کر کے راہ پر لا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول مقبول علیہ السلام کا کوئی حق اب ہم پر نہیں اور نہ کوئی احسان اور فائدہ آپ کی ذات پاک سے بعد وفات ہے۔

:۔ الشہاب ص ۴۷

۲۔ نجدی اور اس کے اتباع (ماننے والوں) کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانے تک تھی جب تک وُہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ :۔ الشہاب ص ۴۵

۳۔ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سُنا گیا ہے کہ اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ کو سخت منع کرتے ہیں اور اہلِ حرمین پر سخت نفرین اس نداء و خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزا اڑاتے ہیں۔ :۔ الشہاب ص ۶۵

۴۔ وہابیہ نجدیہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ یَا رَسُوْلَ اللہ میں

استعانت بغیر اللہ بے اور وہ شرک ہے۔ :۔ الشہاب ص ۶۵

۵۔ وہابیہ خبیثہ کثرت صلاۃ وسلام و درود بر خیر الانام علیہ السّلام اور قرأت دلائل الخیرات و قصیدہ بردہ و قصیدہ ہمزیہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال وورد بنانے کو سخت قبیح و مکروہ جانتے ہیں۔ :۔ الشہاب ص ۶۶۔

۶۔ وہابیہ امرشفاعت میں اس قدر تنگی کرتے ہیں کہ بمنزلۂ عدم کے (نہ ہونے کے برابر) پہنچادیتے ہیں۔ :۔ الشہاب ص ۶۷۔

۷۔ وہابیہ سوائے علم احکام الشرائع جملہ علوم اسرار حقانی وغیرہ سے ذات سرورِ کائنات خاتم النبیین علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو خالی جانتے ہیں۔ :۔ الشہاب ص ۶۷۔

۸۔ وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو قبیح و بدعت کہتے ہیں اور علیٰ ہٰذا القیاس اذکار اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کو بھی برا سمجھتے ہیں۔

:۔ الشہاب ص ۶۷۔

ایک سنسنی خیز انکشاف

میں اُوپر لکھ چکا ہوں کہ فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے یہ عقائد دشمن کے ذریعہ نہیں بلکہ دوست کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اس لیے یہاں غلط بیانی کا کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا حسین احمد صاحب کو دوست میں نے اس لیے کہا ہے کہ نومبر ۱۹۵۵ء میں والیِ نجد شاہ سعود ابن عبدالعزیز جب ہندوستان کے دورہ پر آئے تھے تو مولانا حسین احمد نے ۲۹۔ نومبر ۱۹۵۵ء کو انھیں جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ایک سپاسنامہ پیش کیا تھا، جس جلسہ میں یہ سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا اس میں آنجہانی وزیرِ اعظم ہند پنڈت نہرو بھی شریک تھے۔

اب حیرت میں ڈوب کران کے سپاسنامے کا ایک اہم حصّہ پڑھیے۔ جس فرقہ گستاخ "وہابیہ خبیثہ" کی مذمت میں انھوں نے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ اسی "فرقہ خبیثہ" کے ساتھ اپنی فکری یک جہتی اور مذہبی رفاقت کی تاریخ بیان کرتے ہوئے انھیں ذرا بھی جھجک نہیں محسوس ہوئی ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند کا اعتراف اپنے سپاسنامہ میں شاہ سعود کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

یا صاحب الجلالۃ! خاص حجاز مقدس کے سلسلے میں جب جلالۃ الملک المرحوم سلطان عبدالعزیز ابن سعود رحمہ اللہ نے فاتحانہ اقدام کیا تو جمعیۃ علمائے ہند ہی وہ جماعت تھی جس نے یورپین ڈپلومیسی کے خلاف اس اقدام کو حجاز مقدس کے لیے فال نیک سمجھا اور سلطان مرحوم کو مبارک باد پیش کی۔ پھر اپنے خصوصی نمائندوں کے ذریعہ موقع بہ موقع سلطان مرحوم کی خدمت میں مفید مشورے پیش کرتی رہی۔ اور جمعیۃ علمائے مذکور کو فخر ہے کہ سلطان مرحوم نے اس کے مشوروں کو شرف قبولیت عطا فرمایا، جس سے مخالفین کی زبان بھی بند نہ ہوئی اور اصلاحی مقاصد بھی کامیاب ہوئے۔

حکومت آل سعود کے استقلال کے بعد حج اول کے موقع پر جمعیۃ علمائے ہند ہی وہ قابل ذکر مذہبی اور سیاسی جماعت تھی جس نے اپنا نمائندہ بھیج کر اطمینان و مسرت کا اظہار کیا۔: شاہ سعود والی عرب کا دورۂ ہند ص ۲۸، شائع کردہ لالہ رُخ پبلیکیشنز سرینگر کشمیر۔

نجدیوں کے جس "فاتحانہ اقدام" پر جمعیۃ علمائے ہند نے مبارک بادی کا پیغام بھیجا تھا اور جن "اصلاحی مقاصد" کی کامیابی پر اپنے اطمینان و مسرت کا اظہار کیا تھا جب تک ان کی لرزہ خیز تفصیلات آپ کے سامنے نہیں آجاتیں اس سپاسنامے کا پس منظر سمجھ میں نہیں آئیگا۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی تفصیلات بھی قابلِ اعتماد لوگوں کے ہاتھوں ہمیں دستیاب ہوگئی ہیں۔

لندن کا ایک تار شرح اس قیامت آشوب داستان کی یہ ہے کہ ۲۲؍ اگست ۱۹۲۵ء کو لندن سے کسی پریس رپورٹر نے ہندوستان کی خبر رساں ایجنسیوں کو ایک تار بھیجا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

"باوثوق ذرائع سے اطلاع موصول ہوئی ہے کہ وہابیوں نے مدینے پر حملہ شروع کر دیا ہے جس سے مسجد نبوی کے قبے کو جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر ہے، صدمہ پہنچا ہے اور سید نا حمزہ کی مسجد تہدید کر دی گئی ہے۔" رپورٹ خلافت کمیٹی ص ۳۰۔

اس لرزہ خیز خبر پر ہندوستان میں ہر طرف صفِ ماتم بچھ گئی اور جذبات کا ہیجان اس قدر طوفان خیز ہو گیا کہ اس وقت کی خلافت کمیٹی کو حالات کی تحقیقات کے لیے اپنا ایک نمائندہ وفد حجاز بھیجنا پڑا۔ خلافت کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق یہ وفد مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھا:

(۱) سید سلیمان ندوی (۲) مولانا محمد عرفان (۳) مولانا ظفر علی خاں (۴) سید خورشید حسن (۵) مولانا عبدالماجد بدایونی (۶) مسٹر شعیب قریشی۔

خلافت کمیٹی کے وفد کی رپورٹ

وفد نے یہاں پہنچ کر مسلمانانِ ہند کو اطلاع دی کہ:

مکہ میں جنۃ المعلیٰ کے مزارات شہید کر دیئے گئے۔ مولد النبی (جس مکان میں سرکارِ دوجہاں کی ولادت ہوئی تھی) توڑ دیا گیا ہے۔ لیکن نجدی حکومت نے یقین دلایا ہے کہ مدینے کے مزارات و مآثر کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جائے گا۔:-

رپورٹ خلافت کمیٹی ص ۲۳

پھر ایک سال کے بعد ۱۹۲۶ء میں حجاز پر نجدی حکومت کے جابرانہ اور قاہرانہ تسلط سے پیدا شدہ حالات پر غور کرنے کے لیے جب مؤتمر عالم اسلامی کے نام سے موسمِ حج پر مکہ میں ایک عالمی اجتماع منعقد ہوا تو اس میں شرکت کے لیے خلافت کمیٹی کی طرف سے بھی ایک وفد وہاں بھیجا گیا۔

خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کی رپورٹ

اس موقعہ پر وفد نے اپنے چشم دید واقعات و تاثرات کی جو رپورٹ بھیجی تھی اس کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔

"۲۲، مئی کو اکبری جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ اس وقت سب سے پہلی جو وحشت ناک اور جگر گداز خبر ہمیں موصول ہوئی وہ (مدینے کے) جنۃ البقیع اور دیگر مقامات کے انہدام کی تھی۔ لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تامل کیا اس لیے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدہ دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ کے مزارات و مآثر کو اپنی اصل حالت پر رکھیں گے۔

لیکن جدہ پہنچ کر سب سے پہلے ہم نے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز عتیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انھوں نے تصدیق کی اور یہ فرمایا کہ نجدی قوم بدعت اور کفر کے استیصال کو اپنا فرض خیال کرتی ہے اور اس مسئلے میں وہ دنیائے اسلام کے مصالح کی کوئی پروا نہیں کرے گی خواہ دنیائے اسلام خوش ہو یا ناراض۔ :۔ رپورٹ خلافت کمیٹی ص ۸۵۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

بہر حال حالات و واقعات کچھ بھی ہوں سلطان عبدالعزیز کے تمام حتمی اور واجب الایفاء وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ کے تمام قبے گرا دیے گئے۔:۔ رپورٹ ص ۸۸۔

مساجد کی حرمتوں کا خون فرقہ وارانہ فسادات کے موقعہ پر فرقہ پرست درندوں اور اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں اپنی مساجد کی بے حرمتی اور ان کے انہدام کا قیامت انگیز تماشا آپ نے دیکھا ہوگا اب خاص حجاز کی مقدس سرزمین پر مدعیان اسلام کے ہاتھوں ایک عبرتناک اور لرزہ خیز تماشا اور دیکھئے — جرم اگر مشترک ہو تو انصاف کی تلوار اپنے اور بیگانے کا کوئی امتیاز نہیں کرتی۔ دیکھنا ہے آپ اس کسوٹی پر کہاں تک پورے اترتے ہیں۔

ارکان وفد کے عینی شاہد لکھتے ہیں۔ پڑھیے اور خون کے آنسو روئیے کہ نجدی درندوں کی کافرانہ سرکشی کے آگے اسلام کی حرمتوں کو اپنے گھر میں بھی پناہ نہ مل سکی؛

اس سے بھی زیادہ افسوسناک چیز یہ ہے کہ مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی بعض مساجد بھی نہ بچ سکیں اور مزارات کے قبوں کی طرح یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں۔ مدینے میں منہدم کردہ مساجد کی تفصیل یہ ہے: (۱) مسجد فاطمہ متصل مسجد قبا۔ (۲) مسجد ثنایا (میدان احد میں جہاں سرکار کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے) (۳) مسجد منارتین (۴) مسجد مائدہ (جہاں سورہ مائدہ نازل ہوئی تھی) (۵) مسجد اجابہ (جہاں سرکار کی ایک نہایت اہم دعا قبول ہوئی تھی۔:۔ رپورٹ ص ۸۹

مزارات کا انہدام وفد کے اراکین نے مدینہ طیبہ کے منہدم شدہ مزارات کی جو فہرست قلم بند کی ہے ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرمالیں ——— ہائے! کیسے کیسے لالہ رخوں کی جلوہ گاہوں کو چشم زدن میں ان ظالموں نے ویران کر ڈالا۔

مزارات شہزادیان خاندان نبوّت

(۱) بنت رسول حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۲) بنت رسول حضرت زینب رضی اللہ عنہا (۳) بنت رسول حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ (۴) بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا (۵) حضرت فاطمہ صغریٰ بنت حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہم۔

مزارات ازواجِ مطہرات

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۲) ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا (۳) ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا وغیرہا کل نو ازواج طیبات کے مزارات۔

مزارات مشاہیر اہل بیت

(۱) شہزادۂ رسول حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ (۲) سر مبارک حضرت امام حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ (۳) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (۴) جگر گوشۂ رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ (۵) عم النبی حضرت عباس رضی اللہ عنہ (۶) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (۷) حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ۔

مزارات مشاہیر صحابہ و تابعین

(۱) امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت سیدنا عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ (۴) حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ (۵) حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ (۶) حضرت

امام نافع رضی اللہ عنہ۔۔ رپورٹ خلافت کمیٹی ص ۸۰ تا ۸۹۔

زخموں کی ٹیس یہی تھا "نجدی قوم کا وہ فاتحانہ اقدام" جس پر دیوبندی جمعیۃ علماء نے انھیں مبارک باد کا تحفہ پیش کیا تھا اور ان کے پاس اپنا خصوصی نمائندہ بھیج کر اپنے بھرپور اطمینان و مسرت کا اظہار کیا تھا۔ گویا تیرہ سو برس سے امت مرحومہ نے جن "نقوش محبت" کو حوادثِ زمانہ کی زد سے بچا بچا کر محفوظ رکھا تھا اور جن کے پُرکیف نظاروں سے عشق و ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی رہا کرتی تھیں۔ وہ ان باغیانِ رسالت کے دلوں میں کانٹوں کی خلش بن کر کھٹکتے رہتے تھے۔ ان کے جلتے ہوئے دلوں کو اس دن مسرت و اطمینان کی گھڑی میسّر آئی جس دن روئے زمین کی سطح سے عرفان محبت کے یہ نقوش مٹا دیئے گئے۔ ان کی خوشی کا قاصد اُس لمحے کے انتظار میں رُکا ہوا تھا جب تک کہ رسولِ مجتبیٰ کے لاڈلوں کی خواب گاہوں کو قدموں کی ٹھوکروں سے روند نہ ڈالا گیا ـــــ اور جب تک کہ دنیا کے اسی کروڑ مسلمانوں کی آنکھوں سے لہو کی بُوندیں نہیں ٹپک گئیں۔ ان سیہ بختوں نے اطمینان کا سانس نہیں لیا۔

اب اس مقام پر اپنے قارئین سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ خون کے رشتے کا درد محسوس کر کے بتایئے کہ آپ کے لختِ جگر کی قبر کے ساتھ اگر کوئی یہ سلوک روا رکھتا تو آپ کے دل کی بے چینیوں کا ردِّ عمل کیا۔

پھر صحرائے نجد کے جن درندوں نے سرکارِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادوں، شہزادیوں، ازواجِ طیبات اور ان کے محبوب صحابہ کی مقدس لاشوں پر تیشے چلائے اور ان کے مزارات کی حرمتوں کو خاک و خون میں ملایا کیا زندگی کے کسی لمحے میں بھی آپ انھیں معاف کر سکتے ہیں؟

اور جواب دیجیے کہ تیرہ سو سال کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی اگر آپ نے یزید کو معاف نہیں کیا ہے تو کیا آپ ان سنگدلوں کو معاف کر سکتے ہیں جنھوں نے کربلا کی اس دُہرائی جانے والی تاریخ پر نجد کے اشقیاء کے نام ہند سے مبارکبادی کا پیغام

بھیجا تھا۔ آخر یزید بھی تو بذاتِ خود فاطمہ کا چمنستان اجاڑنے کربلا نہیں گیا تھا لیکن اُسے بھی مسرت و اطمینان اس وقت تک نصیب نہیں ہُوا جب تک کہ خاندانِ نبوت کے دمکتے ہوئے چہرے خاک و خون میں نہیں مل گئے۔

ایک عینی شاہد کی روح کا اضطراب

ان حشر برپا واقعات پر ایک عینی شاہد کی رُوح کا اضطراب دیکھنا چاہتے ہوں تو مسٹر محمد علی جوہر کی وہ تقریر سنیے جو حجاز سے واپسی کے بعد انھوں نے دہلی کی جامع مسجد میں کی تھی۔

ان کی تقریر کا یہ حصّہ کتنا بے لاگ اور حقیقی تاثرات میں ڈوبا ہوا ہے۔

"میں خدا کے گھر میں بیٹھا ہوں اور اس کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں مجھے ابنِ سعود سے ذاتی عداوت نہیں، نہ میری مخالفت ذاتی غرض پر ہے۔ جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہی کہوں گا اور صاف صاف کہوں گا، خواہ اس سے کوئی جماعت خوش ہو یا ناخوش!

سلطان ابن سعود اور ارکانِ حکومت بار بار کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی رٹ لگاتے تھے لیکن میں نے تو یہ پایا کہ انھوں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کو دنیا کمانے کے لیے آلہ بنا رکھا ہے۔ جو لوگ ڈاکہ ڈالتے ہیں، چوری کرتے ہیں، بُرا کرتے ہیں لیکن جو لوگ قرآن و حدیث کو آڑ بنا کر دنیاوی حکومت حاصل کرتے ہیں۔ چوروں ڈاکوؤں سے بھی بُرا کرتے ہیں۔"

٭۔ مقالات محمد علی ج ۱ ص ۹۵ - ۹۶۔

ان کے بیان کا ایک حصّہ یہ بھی ہے۔ پُرنم آنکھوں کے ساتھ پڑھیے:

"نجد اور نجدیوں کا یہی کارنامہ ہے کہ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کے خون میں ان کے ہاتھ رنگے ہیں"۔ ٭۔ مقالات ص ۳۷

اسی کے ساتھ ذرا خلافت کمیٹی کے وفد کی رپورٹ کا یہ حصّہ بھی پڑھ لیجئے جس میں انھوں نے بہ چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے ایک اجتماع میں نجد کے قاضی نے

علمائے مدینہ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ اس بیان سے عام مسلمانوں کے متعلق نجدی گروہ کا مذہبی ذہن پوری طرح بے نقاب ہو جاتا ہے۔

"یا اهل حجاز انتم اشد کفرا من هامان و فرعون نحن قاتلناکم مقاتلة المسلمین مع الکفار انتم عباد حمزه وعبد القادر۔

(ترجمہ): اے باشندگانِ حجاز! تم ہامان اور فرعون سے بھی بڑھ کر کافر ہو۔ ہم تمہارے ساتھ اسی طرح قتال کریں گے جس طرح کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تم امیر حمزہ اور عبد القادر (جیلانی) کے پجاری ہو"۔۔ رپورٹ ص۸۵

نجدی قوم کے متعلق ارکانِ وفد کے یہ تاثرات بھی قابلِ یادداشت ہیں۔ لکھتے ہیں:

"ملک گیری کے لیے جو آلہ ان کے پاس ہے یعنی قوم نجد، اس کو ایک صدی سے زیادہ سے یہی سکھایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ سب مسلمان مشرک ہیں اور نجدیوں کی گزشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے۔ جس قدر خونریزی انھوں نے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کی کی ہے"۔۔۔ رپورٹ وفد خلافت ص ۱۰۵۔

نجدی مذہب کے ساتھ تبلیغی جماعت کا رشتہ

گزشتہ صفحات میں فرقۂ وہابیہ نجدیہ کے ساتھ دیوبندی جمعیۃ العلماء کے گہرے ساز باز کا حال آپ نے پڑھ لیا اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ سلطان نجد کی سرکار میں وہ کتنے بارسوخ، قابلِ اعتماد اور دخیل کار تھے کہ سلطان کو وقتاً فوقتاً مشورے بھی دیتے رہے اور سلطان نجد نے ان کے مشوروں کو قدر و اعتماد کی نگاہ سے دیکھا بھی۔

حجاز مقدس کی بے حرمتی اور یزیدی کارناموں کے اعادہ کی تاریخ معلوم ہو جانے کے بعد اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مشورے کس قسم کے تھے۔

لیکن اب براہِ راست تبلیغی جماعت کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ویسے نہ بھی اُن کے چہرے سے نقاب اُٹھایا جائے جب بھی دیوبندی گروہ کا ایک تبلیغی دستہ ہونے

کی حیثیت سے ان کا مذہبی مزاج ہمارے لیے کچھ نامعلوم نہیں ہے۔ پھر بھی سادہ لوح مسلمانوں کو معلومات کے اُجالے میں لانے کے لیے دستاویزی ثبوت کے ساتھ یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نجد کے وہابی مشرب کے ساتھ تبلیغی جماعت کے ذہن و فکر کا رشتہ کیا ہے؛

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس کا یہ بیان اُوپر کہیں گزر چکا ہے کہ تھانوی صاحب کی تعلیمات و ہدایات کو پھیلانا تبلیغی جماعت کا اصل مدعا ہے۔ ایک طرف اس حوالہ کو نظر میں رکھیے اور دُوسری طرف تھانوی صاحب کا یہ اقراری بیان پڑھیے۔

تبلیغی جماعت کے علماء کا خود اپنے متعلق وہابی ہونے کا اقرار

ان کا سوانح نگار لکھتا ہے

کہ جن دنوں تھانوی صاحب کانپور مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ محلے کی کچھ عورتیں فاتحہ کرانے کے لیے مٹھائی لے کر آئیں۔ تھانوی صاحب کے طلبہ نے فاتحہ دینے کی بجائے مٹھائی لے کر خود کھا لی۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہُوا۔ تھانوی صاحب کو خبر ہُوئی تو وُہ آئے اور انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"بھائی! یہاں "وہابی" رہتے ہیں۔ یہاں فاتحہ نیاز کے لیے کچھ مت لایا کرو"

:۔ اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵۔

اب اسی سانس میں وہابی مشرب کے ساتھ گنگوہی صاحب کی خوش عقیدگی کا بھی حال معلوم کر لیجیے جن کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل تبلیغی جماعت کے پیش نظر ہے۔ موصوف ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"محمد ابن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو "وہابی" کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے"۔:۔ فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱۔

اب دریائے حیرت میں ڈوب کر تبلیغی جماعت کے موجودہ قائدین کا حال پڑھیے۔

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ مولانا زکریا شیخ الحدیث سہارن پور اور مولوی منظور صاحب نعمانی اس

وقت تبلیغی جماعت کے روح رواں اور مرکزی قائدین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہی مولوی منظور صاحب نعمانی مولانا الیاس کے مرض الموت میں ان کی جانشینی کے مسئلہ پر اپنی بے چینیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارہ میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق و محبّت رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا۔

اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ، کی تھی"۔ سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۹۰

اس کے بعد اپنے بیان کے مطابق اگلے دن صبح کے وقت نعمانی صاحب نے مولانا زکریا سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنے ساتھیوں کی یہ تجویز رکھی کہ وہ تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے مرکز میں اپنا قیام منظور فرمائیں —— اس سلسلے میں نعمانی صاحب اپنی گفتگو کا ایک نہایت اہم حصّہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ پورے واقعہ میں ان کی گفتگو کا یہی حصّہ میرا مقصودِ تحریر ہے:

اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اور اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے دنوں کے بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارہ میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ "ہم بڑے سخت وہابی ہیں"۔ ہمارے لیے اس بات میں کوئی خاص کشش نہ ہو گی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے۔ یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے، یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے۔

:۔ سوانح مولانا یوسف ص ۱۹۲۔

ملاحظہ فرمائیے! موصوف کے اس بیان میں کہ "ہم بڑے سخت وہابی ہیں" وہابی

ذہن کا کردار بھی صاف جھلک رہا ہے۔ ظاہر ہے ان حضرات کے لیے جب بڑے بڑے صحابہ اور اہل بیت کے مزارات تک میں کوئی کشش نہیں تھی تو مولانا الیاس بیچارے کس کھیت کی مولی تھے۔ دعویٰ اور دلیل دونوں کی یکجائی اسی کو کہتے ہیں۔

اب ذیل میں مولانا زکریا کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ انھوں نے کہا کہ:

"اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا اور اگر کسی اور کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا۔ بس انتظار کرو۔ اللہ سے دعا کرو۔

اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب!

"میں خود تم سے بڑا وہابی ہوں"۔ تمھیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ اور در و دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں"۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۹۲۔

تھانوی صاحب سے لے کر مولوی منظور نعمانی اور مولوی محمد زکریا صاحب تک تبلیغی جماعت کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کی نظر سے گزر چکا کہ "ہم وہابی ہیں"، "میں بڑا سخت وہابی ہوں"، "میں خود تم سے بڑا وہابی ہوں"۔ کوئی دوسرا ان کے بارہ میں کہتا تو الزام سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعۃً یہ حضرات "وہابی" ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انھوں نے اپنی نجی گفتگو اور تنہائی کی ملاقات میں کیا ہے اس لیے اسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

عقل و حقیقت کا فیصلہ

اب اس مقام پر ایک بات نہایت گہرائی میں اتر کر سوچنے کی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی دو ہی صورتیں ہوا کرتی ہیں یا تو اس کے ساتھ کوئی نسلی یا نسبی تعلق ہو

یا پھر اس کے مسلک و اعتقاد کے ساتھ فکر و عمل کی وابستگی ہو۔

مثال کے طور پر جو لوگ ہند و پاک میں اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں ظاہر ہے کہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کا کوئی نسلی یا نسبی تعلق نہیں ہے بلکہ صرف ان کے مسلک و طریق پر چلنے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔

یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد اب یہ سوال حل کیجئے کہ تبلیغی جماعت کے ان مرکزی قائدین نے اپنے متعلق "وہابی" ہونے کا جو اقرار کیا ہے تو اس انتساب کی اصل وجہ کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کے ساتھ ان حضرات کا کوئی نسلی یا نسبی رشتہ نہیں ہے اس لیے اب لے دے کے صرف یہی ایک وجہ رہ جاتی ہے کہ مسلک و اعتقاد کے اعتبار سے چونکہ یہ لوگ ابن عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہیں اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو "وہابی" قرار دیا ہے۔ یوں بھی گنگوہی صاحب کی صراحت کے مطابق وہابی اسی کو کہتے ہیں جو ابن عبدالوہاب نجدی کا پیرو ہو۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی لازماً ثابت ہو گئی کہ اپنے اوپر لفظ "وہابی" کا اطلاق صرف اطلاق ہی کی حد تک نہیں ہے بلکہ ابن عبدالوہاب نجدی کے جو عقائد و اعمال شیخ دیوبند نے اپنی کتاب "الشہاب الثاقب" میں تحریر کیے ہیں وہ سب کا سب ان حضرات نے اعتماد و پسندیدگی کے ساتھ اپنا بھی لیے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک صحیح الدماغ آدمی برضا و رغبت کبھی بھی ایسے لفظ کا اطلاق اپنے اوپر پسند نہیں کرتا جس کے ساتھ اس کے تئیں پسندیدگی کا کوئی مفہوم وابستہ نہ ہو۔

اور یہ بھی سن لیا جائے کہ وہابی مشرب کے ساتھ ان حضرات کا فکری تعلق صرف حسن اعتقاد کی حد تک نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ یہ لوگ یہاں بھی اس مذہبی انقلاب کے لیے ذہن و فکر کی سطح ہموار کر رہے ہیں جو صحرائے نجد کے درندوں کے ذریعہ حجاز میں رُو نما ہو چکا ہے۔

چنانچہ نجدی تحریک کے نقطۂ آغاز کے مطابق مسلمانوں کو ذہنی طور پر مشرک سمجھنے اور سمجھانے کی مہم یہاں بھی شروع ہو گئی ہے۔ ثبوت کے لیے تبلیغی جماعت کے مرکزی

قائد مولوی منظور صاحب نعمانی کا یہ بیان پڑھیے۔ لکھتے ہیں:

"آپ مسلمان کہلانے والے ان قبوریوں اور تعزیہ پرستوں کو دیکھ لیجئے۔ شیطان نے ان مشرکانہ اعتقادات اور مشرکانہ اعمال کو ان کے دلوں میں ایسا اتار دیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی کوئی بات سننے کے روادار نہیں۔

میں اُن ہی لوگوں کو دیکھ کر اگلی اُمتوں کے شرک کو سمجھتا ہوں۔ اگر مسلمانوں میں یہ لوگ نہ ہوتے تو واقعہ یہ ہے کہ میرے لیے اگلی امتوں کے شرک کو سمجھنا بڑا مشکل ہوتا"۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ ص ۳۰۔

نجد اور دہلی کی دعوت میں یکسانیت

سیاسی اقتدار کی بیچارگی کے عالم میں ابھی ذہن کا یہ تیور صرف زبان وقلم اور دعوت وتبلیغ کی حد تک ہے۔ کل ہندو پاک کی سرزمین پر اگر خدانخواستہ جبری طاقت کے وسائل انھیں بھی میسر آجائیں تو نجد کے مذہبی انقلاب کی تاریخ یہاں بھی انھیں دُہراتے ہُوئے کچھ تامل نہ ہوگا۔

ان حضرات کی سرگرمیوں کا مطالعہ کرتے وقت یہ نکتہ کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ جرائم کے ارتکاب میں اصل چیز ذہن کی آمادگی ہے۔ ذہن آمادہ ہو تو وسائل کی تلاش کا مرحلہ بالکل بعد کا ہے۔

جہاں تک تاریخی حقائق کا تعلق ہے خود نجد کی تحریک بھی یک بیک قہر وجبر کے نقطۂ عروج پر نہیں پہنچ گئی تھی بلکہ یہی کلمہ ونماز کی دعوت اور اعمال واخلاق کے اصلاح کی تبلیغ وہاں بھی آخری مرحلے کی تمہید تھی۔

چنانچہ مولوی مسعود عالم ندوی "محمد ابن عبدالوہاب" نامی کتاب میں شیخ نجد کی زندگی کی تاریخ لکھتے ہوئے ان کی ابتدائی دعوت وتبلیغ کا حال یُوں لکھتے ہیں:

"حریملاء کی واپسی کے بعد انھوں نے بدعات کے استیصال اور توحید واخلاق

کے عام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ دعوت کی بنیاد توحید پر رکھی۔ کلمہ لَا اِلٰہ الا اللہ کا بول بالا ان کا شعار تھا"۔ محمد ابن عبدالوہاب ص ۲۳۔

ایک جگہ شیخ نجد کی دعوت کے یہ الفاظ خود انہی کی زبانی نقل کیے ہیں؛

"ان هٰذا الذی انا قمت به و دعوت الیه کلمه لا الٰه الا الله و ارکان الاسلام و الامر بالمعروف والنهی عن المنکر۔

(ترجمہ): میں جس چیز کو لے کر کھڑا ہوا ہوں اور جس کی طرف دعوت دے رہا ہوں وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ ارکانِ اسلام اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت ہے۔" محمد ابن عبدالوہاب ص ۲۹۔

درعیہ نامی ایک قصبہ میں "شیخ نجد" کے تبلیغی مرکز کے قیام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ کی تشریف آوری سے پہلے درعیہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جہاں جہالت کی گرم بازاری تھی۔ شیخ نے سب سے پہلے وعظ اور درس کے حلقے قایم کیے اور خود صبح و شام تک آنے والوں کو کتاب و سنّت کی تعلیم دیتے اور اپنی دعوت "دعوت توحید" اخلاص فی عبادۃ اللہ کی اہم اور ضروری چیزیں ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتے"۔ محمد ابن عبدالوہاب ص ۳۴۔

آگے چل کر شیخ نجد کی دعوت و تبلیغ کے حلقہائے اثر کی وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اب تک شیخ کی دعوت نجد کے اضلاع تک محدود رہی لیکن یہ دعوت عام تھی اصلاح کی ضرورت صرف نجد میں نہ تھی تمام اسلامی دنیا انحطاط کے عالم میں تھی۔ اصلاح کی ابتدا گھر سے ہوتی ہے اس لیے قدرتی طور پر عُسینہ، حریملاء، درعیہ اور عارض کے دُوسرے قصبے شیخ کی دعوت کے اوّلین مرکز بنے لیکن جونہی ان علاقوں میں زندگی کی علامتیں ظاہر ہُوئیں۔ شیخ نے اپنی دعوت

کا حلقہ وسیع کیا اور دور دور کے شہروں کے علماء، امراء اور قضاۃ کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے اور انھیں اپنی دعوت کے قبول کرنے پر آمادہ کرنے لگے"۔ محمد ابن عبدالوہاب ص، ۳۷۔

شیخ نجد کی دعوت و تبلیغ کی ابتدائی تاریخ کے یہ اقتباسات اس لیے میں نے

ہند کی تبلیغی جماعت نشان قدم پر

نقل کیے ہیں تاکہ ہندوستان کی تبلیغی جماعت کا طریقۂ کار سمجھنے میں آپ کو آسانی ہو۔ دونوں میں ذرا سچی مطابقت دیکھیے کہ شیخ نجد کے ابتدائی حالات کی تاریخ پڑھنے کے بعد بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابن عبدالوہاب کی جگہ مولانا الیاس اپنی دعوت کی سرگرمیوں میں مصروف ہوں۔

وہاں بھی دعوت و تبلیغ کے ابتدائی مرحلے میں اسلام کے وہی موٹے موٹے اصول سامنے رکھے گئے تھے جن سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا تھا لیکن جب تحریک اور داعیان تحریک کی شخصیتوں سے وابستہ ہو جانے والوں کا ایک مضبوط دستہ تیار ہو گیا تو اچانک ان کے ذہنوں کو "جبری اصلاح" اور "ایمان شکن تخریب" کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

ہندوستان کی تبلیغی جماعت بھی ٹھیک اسی روش پر چل رہی ہے یہاں بھی موٹے موٹے اصلاحی اصولوں کی کشش سے ایک تبلیغی دستہ تیار کیا جا رہا ہے اور فکری صلاحیتوں کا سارا زور اس بات پر صرف کیا جا رہا ہے کہ زمرۂ مسلمین میں سے زیادہ سے زیادہ افراد کو تبلیغ و اصلاح کے نام پر جماعت سے منسلک کیا جائے۔ منصوبہ یہ ہے کہ جماعت کے قائدین کے ساتھ ایک بار بھی ان کا رشتۂ اعتماد قائم ہو گیا تو آگے چل کر آسانی سے ذہن و فکر کا رُخ کسی طرف بھی موڑا جا سکتا ہے۔

شاید اسی موقعہ کے لیے اسلام کے دانشوروں نے کہا ہے کہ کسی بھی تحریک کا مطالعہ کرتے وقت یہ معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ تحریک کے چلانے والوں کا ذہن کیا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اسی راہ سے لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے کہ تحریک کے چلانے والوں کو نظر سے اوجھل رکھ کر انھوں نے صرف تحریک کا مطالعہ کیا اور ساتھ ہو گئے۔ اس کے بعد انھیں جماعت کے

مصنوعی ماحول میں کچھ اس طرح ڈھال دیا گیا کہ آگے چل کر جماعت کا سارا راز معلوم ہو جانے کے بعد بھی وہ اس سے اپنا رشتہ نہیں توڑ سکے جو اگر پہلے دن معلوم ہو گیا ہوتا تو کبھی اس سے منسلک ہی نہ ہوتے۔

نجدی حکومت کے ساتھ تبلیغی جماعت کا معاہدہ

نجد کی تحریک کے ساتھ تبلیغی جماعت کی فکری اور مذہبی یکسانیت کا ثبوت منظر عام پر آجانے کے بعد اب میں ایک چونکا دینے والے راز سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں۔ یہ خبر معلوم کر کے آپ ششدر رہ جائیں گے کہ نجد کے مذہبی قائدین کے ساتھ تبلیغی جماعت کا تعلق اب صرف فکر و اعتقاد کی یک جہتی کی حد تک نہیں رہ گیا ہے بلکہ نجدی حکومت اپنے سارے وسائل کے ساتھ تبلیغی جماعت کی کفالت بھی کر رہی ہے۔

اس کے ثبوت کے لیے مارچ ۱۹۳۸ء میں سلطان نجد کے ساتھ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس کا جو معاہدہ عمل میں آیا تھا ذیل میں اس کی سنسنی خیز تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب دینی دعوت میں مولانا الیاس کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ۱۹۳۸ء میں جب وہ حج کے موقعہ پر حجاز گئے ہوئے تھے تو تبلیغی جماعت کے سلسلے میں انہوں نے اپنے ایک وفد کے ساتھ سلطان نجد سے ملاقات کی تھی۔ سلطان سے ملاقات کے سلسلے میں تیاریوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرار پایا کہ پہلے اغراض و مقاصد کو عربی میں قلم بند کیا جائے پھر سلطان کے سامنے پیش کیا جائے۔ مولانا احتشام الحسن، عبداللہ ابن حسن شیخ الاسلام اور شیخ ابن بلیہد سے اپنے طور پر ملے"۔ :- دینی دعوت ص ۱۰۰-

مولانا الیاس سلطان نجد کے دربار میں

اس کے بعد لکھتے ہیں:

دو ہفتہ کے بعد (۱۴ / مارچ ۱۹۳۸ء کو مولانا (محمد الیاس) حاجی عبداللہ دہلوی، عبدالرحمن مظہر شیخ المطوفین اور مولوی احتشام الحسن کی معیت میں سلطان کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ جلالۃ الملک نے بہت اعزاز

کے ساتھ مسند سے اُتر کر استقبال کیا اور اپنے قریب ہی معزز ہندی مہمانوں کو بٹھایا۔ ان حضرات نے تبلیغ کا معروضہ پیش کیا جس پر سلطان نے تقریباً چالیس منٹ تک توحید (کتاب وسنت اور اتباعِ شریعت پر مبسوط تقریر کی۔ اس کے بعد بہت اعزاز کے ساتھ مسند سے اتر کر رخصت کیا۔ اگلے روز سلطان نے نجد کا قصد کیا اور ریاض کے لیے روانہ ہوگئے"۔ دینی دعوت ص ۱۰۰۔

سلطان نجد کے دربار سے خوشنودی کا پروانہ حاصل کر چکنے کے بعد اب ضابطہ کی کارروائی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

"مولوی احتشام الحق نے مقاصد تبلیغ کو اختصار کے ساتھ نوٹ کر کے شیخ الاسلام رئیس القضاۃ (چیف جسٹس) عبداللہ ابن حسن (جو ابن عبدالوہاب نجدی کی اولاد میں ہیں) کے یہاں پیش کیا۔ مولانا (محمد الیاس) اور مولوی احتشام صاحب ان کے یہاں خود بھی گئے۔ انھوں نے بہت اعزاز و اکرام کیا اور ہر بات کی خوب خوب تائید کی اور زبانی پوری ہمدردی و اعانت کا وعدہ کیا"۔ دینی دعوت ص ۱۰۱۔

قلم کی چوری

جذبۂ انصاف کو درمیان میں ڈال کر غور فرمائیے! میں نے اپنی طرف سے ایک بات بھی نہیں کہی ہے سارے حوالے اُن ہی کتابوں کے ہیں۔ پوری کارروائی کے بیان میں یہ تشنگی ہر شخص واضح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ سلطان نجد کے سامنے پیش کرنے کے لیے تبلیغی جماعت کے اغراض و مقاصد کا جو مسودہ عربی زبان میں تیار کیا گیا تھا، پوری کارروائی کے ساتھ اسے بھی نقل کر دینے میں آخر کون سی مصلحت مانع تھی۔

لیکن ہزار پردہ ڈالنے کے بعد بھی اب یہ حقیقت چھپائی نہیں جا سکتی کہ قصر حکومت سے جن اغراض و مقاصد کی خوب خوب تائید کی گئی اور جن امور کی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں پوری پوری ہمدردی و اعانت کا وعدہ کیا گیا وہ بالکل وہی تھے جنھیں لے کر نجدی قوم اٹھی تھی اور عشق و ایمان کی لازوال حرمتوں اور اسلام کی زندۂ جاوید یادگاروں کو خاک و

خون میں ملایا تھا۔

کیونکہ یہ بات ایک معمولی عقل کا آدمی بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ وہ اغراض و مقاصد ذرا بھی نجدی مذہب کے مزاج سے مختلف ہوتے تو نجدی حکومت کا شیخ الاسلام اور قاضی القضاۃ جس کی رگوں میں ابن عبدالوہاب نجدی کا خون رواں دواں تھا، وہ ہرگز کسی طرح کی امداد و اعانت کا وعدہ نہ کرتا۔

تبلیغی جماعت کا وفد ریاض میں

نجدی گروہ کے ساتھ تبلیغی جماعت کے فکری و اعتقادی اشتراک اور باہمی اعتماد و تعاون کے رشتے کا ایک تازہ ثبوت اور ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا الیاس کے عہد کی کہانی سُن چکے اب ان کے بیٹے مولوی محمد یوسف صاحب کے زمانۂ خلافت کی کہانی سُنیئے:

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی سرکردگی میں دہلی سے نجد کے لیے روانہ ہونے والے ایک تبلیغی وفد کی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی محمد یوسف کا سوانح نگار اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ریاض میں حکومت سعودیہ کے عمائدین کے ساتھ وفد مذکور کے گہرے روابط کا حال پڑھیے:

"شیخ عمر بن الحسن آل شیخ جو شیخ محمد ابن عبدالوہاب (نجدی)، کی اولاد میں ہیں نیز قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام مملکت سعودیہ شیخ عبداللہ ابن الحسن (جن کے ساتھ مولانا الیاس کا معاہدہ ہوا تھا)، کے بھائی بھی ہیں اور ریاض کے محکمۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے رئیس ہیں، جن کے تعلقات ولی عہد مملکت امیر سعود سے بہت قریبی تھے اور ان کے معتمد خاص تھے، ان سے اچھے تعلقات قائم ہو گئے۔ جو لوگ (تبلیغی) جماعت کے متعلق شکوک پیدا کرتے تھے ان کے تعارف واعتماد کی وجہ سے شکوک پیدا کرنے والوں کو کامیابی نہ ہو سکی"۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۴۱ھ ۔

اس کے بعد اعتقادی ہم آہنگی کا ایک کھلا ہوا انکشاف ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں کہ:

"شیخ عمر بن الحسن کے برادر اکبر شیخ عبداللہ ابن الحسن سے بھی گئی

بار ملنا ہوا جن کے ساتھ مولانا الیاس کا معاہدہ ہوا تھا اور وُہ بڑی شفقت سے پیش آئے۔ کچھ لوگ (تبلیغی) جماعت کے متعلق یہ تاثر پیدا کرتے تھے کہ یہ "فاسد العقیدہ" ہے اور یہ شکوہ علماءٔ تک لے جاتے۔ علماءٔ سے تعلق اور اہل رسوخ سے ملاقات نے شکایت پہنچانے والے کے اثر کو ختم کر دیا"۔ ص ۱۴۴۔

نجد کے قاضیوں اور نجدی علماء و حکام کے سامنے اپنے فاسد العقیدہ (بد عقیدہ) ہونے کے الزام کی صفائی ان حضرات نے کس طرح پیش کی ہوگی، یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مذہبی مزاج کی سرشت یہ ہے کہ ایک بدعقیدہ آدمی بھی دوسرے کو اس وقت تک خوش عقیدہ نہیں سمجھتا جب تک کہ اس کے خیال میں وُہ اپنا ہم عقیدہ ثابت ہو جائے۔

اور اس بیان میں یہ نکتہ بہت واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے کہ نجدی قوم کے عمائدین گویا انھیں پہلے سے جانتے تھے کہ یہ حضرات بدعقیدہ نہیں بلکہ ہم عقیدہ ہیں جبھی تو بدعقیدگی کی شکایت پہنچانے والوں کے اثرات ختم ہو گئے۔

دو ٹوک فیصلہ اس باب کے خاتمہ پر آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ دوراہے پر کھڑے ہونے کا وقفہ صرف چند لمحے کا ہوتا ہے تذبذب کی حالت میں عمر کا طویل حصہ نہیں گزارا جا سکتا۔ جہاں تک تبلیغی جماعت کی مذہبی ہلاکتوں کا سوال ہے اس کا ایک ایک گوشہ آپ کے سامنے آ گیا۔ نجدی قوم کے ساتھ ان کا وہ معاہدہ بھی آپ نے پڑھ لیا جس کی ایک ایک سطر جذبۂ عقیدت کے خون سے آلودہ ہے۔ نجد کے سفاک درندوں کے ہاتھوں حجاز مقدس کی سرزمین پر ذخیرۂ عشق و ایمان کی تباہ کاریوں کا جو لرزہ خیز سانحہ پیش آیا تھا اس پر ان حضرات کا تحفۂ مبارک باد بھی آپ کی نظر سے گزر چکا۔

اس لیے اب مذہب حق کے خلاف تبلیغی جماعت کی تخریبی سازشوں کو محسوس کرنے کے لیے کوئی دقیقہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اتنی بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ کسی بھی جماعت یا کسی بھی عالم کے ساتھ ہماری عقیدت و محبت کا تعلق رسول پاکؐ ہی کے رشتے سے ہے۔ جب تبلیغی جماعت نے "قاتلان حرمت رسولؐ" کی حمایت کر کے وہیں سے اپنا ناطہ توڑ دیا تو اب اس کے ساتھ ہمارے کسی رشتے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟

اور بات اتنے ہی پر بس نہیں ہوئی بلکہ تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین نے اپنے متعلق "وہابی" ہونے کا برملا اقرار کر کے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ اُن کے پاس اعتقاد و عمل کا جو کچھ بھی سرمایہ ہے وہ مدینے کا نہیں، نجد کا ہے ــــــ اور ظاہر ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کا مذہب جب انھیں خود پسند ہے تو یہ بتانے کی اب ضرورت نہیں ہے کہ جس تبلیغی قافلے کی وہ قیادت کر رہے ہیں اُسے وہ کس طرف لے جانا چاہیں گے؟

اس لیے ان حالات میں ایک صاف ستھرے مسلمان کو دو ٹوک فیصلہ کرنا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کا ساتھ دے کر کہاں تک اپنے رسول کی وفاداری کا حق ادا کر سکے گا؛ کیوں کہ اب سوال کلمہ و نماز کی تبلیغ کا نہیں ہے اب تو اصل سوال یہ آن پڑا ہے کہ "قاتلان حرمت رسول" کے ساتھ رفاقت و دوستی کا عہد کر کے ایک مسلمان، مسلمان بھی رہ سکتا ہے یا نہیں؟ چند مسجدوں کی لالچ میں اصل ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھنا قطعاً کوئی دینی منفعت کی چیز نہیں ہو گی۔

اتنی تفصیل کے بعد بھی اگر تبلیغی جماعت کی ہلاکت خیزیوں کو محسوس کرنے کے لیے ذہن کا کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو تو ورق اُلٹیے اور چوتھے باب کا مطالعہ کیجیے۔

باب ۴

اسلام دشمن سازشوں کی تحریک

اسلام کے خلاف دشمنانِ اسلام کی تخریبی سازشوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو بہت سی ایسی جماعتیں معلومات کے اُجالے میں آجائیں گی جن کا سلسلۂ نسب کسی عیار دشمن کے فتنہ پرداز ذہن سے جا ملا ہوگا۔

مثال کے طور پر ہندوستان میں قادیانی جماعت کو لے لیجیے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس کا وجود سرتاسر انگریزی سامراج کا شرمندۂ احسان ہے۔ جیسا کہ خود قادیانی جماعت کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

"میں اپنا کام نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دُعا کرتا ہوں"۔ تبلیغ رسالت ج ۶ ص ۶۹۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"بے اختیار دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گزاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالفت جہاد اور گورنمنٹ کی اطاعت میں لکھ کر دنیا میں شائع کیں اور کافر وغیرہ اپنے نام رکھوائے اسی گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم رات دن کیا خدمت کر رہے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ ضرور میری خدمات کی قدر کرے گی"۔ تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۲۸۔

ان اقراری بیانات کی روشنی میں قادیانی جماعت کے متعلق اب کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ وہ گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے۔ لیکن اس واقعہ میں دشمن کی ذہانت

بھی دیکھنے کے قابل ہے کہ بنیاد رکھ کر وہ درمیان سے ہٹ گیا اور یہ جماعت اسلام کا لبادہ اوڑھ کر یکایک ایک نئے فرقے کی حیثیت سے مذہب کی سطح پر اُبھر آئی اور ترقی کرتے کرتے آج دنیا کی سب سے بڑی "تبلیغی جماعت" بن گئی جیسا کہ ہفت روزہ "ہماری زبان" علی گڑھ رقم طراز ہے:

"موجودہ زمانے میں احمدی جماعت (قادیانی جماعت) نے منظم تبلیغ کی جو مثال قائم کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ لٹریچر، مساجد اور مدارس کے ذریعہ یہ لوگ ایشیا، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے دور دراز گوشوں تک اپنی کوششوں کا سلسلہ قائم کر چکے ہیں جس کی وجہ سے غیر مسلم جماعتوں میں یک گونہ اضطراب پایا جاتا ہے۔ کاش دوسرے لوگ بھی ان کی مثال سے سبق لیتے"۔ ہماری زبان ۲۲-دسمبر ۵۸ء۔

ایک سوال کا جواب

یہ واقعات پڑھ کر آپ ہم سے سوال کر سکتے ہیں کہ تبلیغ اسلام کے نام پر کسی مذہبی جماعت کو وجود میں لانے سے آخر انگریزوں کا مفاد کیا تھا۔ میں عرض کروں گا کہ ایک دشمن اسلام کا یہی مفاد کیا کم ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی تفریق کا ایک نیا دروازہ کھلے، ملت کی اجتماعی قوتوں کو ایک نئے فتنہ سے اُلجھا دیا جائے، کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کے انتشار کا فائدہ دشمن ہی کو سب سے زیادہ پہنچتا ہے۔

مولانا الیاس کی تبلیغی تحریک کو حکومت برطانیہ کی طرف سے مالی امداد

ہندوستان میں مسلمانوں کے مذہبی اتحاد کو توڑنے کے لیے انگریزوں کا یہ پہلا مورچہ تھا جو نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ لیکن چونکہ قادیانی جماعت اپنے کھلے ہوئے امتیاز اور چونکا دینے والے نام و نشان کی وجہ سے عام مسلمانوں میں بار نہیں پا سکتی تھی اس لیے انگریزوں کو ایک ایسی مذہبی تحریک کی ضرورت پیش آئی جس کے چلانے والے اپنے ظاہر کے اعتبار سے مسلمانوں میں باریاب ہونے کی فنکارانہ صلاحیت رکھتے ہوں تاکہ ان کے ذریعہ عام مسلمانوں کو مذہبی انتشار میں مبتلا کیا جا سکے۔

چنانچہ اس عظیم مقصد کے لیے انگریزوں نے مالی امداد کا سہارا دے کر مولانا الیاس کو

کھڑا کیا جیسا کہ دیوبندی جمعیۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ مولانا حفظ الرحمٰن نے اپنے ایک بیان میں خود اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ "مکالمۃ الصدرین" نامی کتاب کا مرتب ان کی ایک گفتگو کا سلسلہ نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اسی ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پھر بند ہوگیا۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۸ شائع کردہ دیوبند۔)

غور فرمائیے! خالص مذہب کے نام پر کسی تحریک کو چلانے کے لیے ایک دشمن اسلام کی مالی امداد کا مصرف سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک مذہب کو دوسرے مذہب سے لڑا کر اہل مذہب کی روحانی، اخلاقی اور اجتماعی قوتوں کو نقصان پہنچایا جائے۔

لٹریچر کی تیاری کے لیے ایک قلم کا سودا

اسلام کے نام پر ایک تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈال دینے کے بعد طے شدہ مقاصد کے رُخ پر کام کرنے کے لیے اب ایسے فکری مواد کی ضرورت پیش آئی جو دماغوں میں سرایت کرنے کے بعد ایمان کی توانائی سلب کر سکیں اور مسلمانوں میں مذہبی خانہ جنگی کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیں جو کبھی ختم نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس اہم کام کی تکمیل کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی کی قلمی خدمات حاصل کی گئیں۔ جیسا کہ اسی مکالمۃ الصدرین میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے مولانا حفظ الرحمٰن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"دیکھیے! حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیے جاتے تھے۔" (مکالمۃ الصدرین ص ۱۱ شائع کردہ دیوبند۔)

ظاہر ہے کہ حکومت برطانیہ کچھ ان کی مرید نہیں تھی کہ اس رقم کو "پیر مغاں" کا نذرانہ سمجھا جائے اور پھر نذرانے کی رقم بھی ایک آدھ بار پیش کی جاتی ہے۔ ماہ بماہ وظیفہ دینے کا مصرف سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ خدمت کا معاوضہ تھا۔

اسی کے ساتھ یہ خبر بھی ذہن میں رکھیے تو اس رازِ سربستہ کی ساری گرہ کھل جائے گی کہ "مظہر علی" نام کے کوئی تھانوی صاحب کے بھائی تھے جو حکومت کے تنخواہ دار سی آئی ڈی افسر تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان سارے مراحل میں وہی درمیان کی کڑی تھے۔ جیسا کہ خود مولانا حسین احمد صاحب نے اپنے مکتوب میں ایک جگہ لکھا ہے:

"مولانا مرحوم (تھانوی) کے بھائی محکمۂ سی آئی ڈی میں بڑے عہدیدار اخیر تک رہے۔ ان کا نام "مظہر علی" ہے۔ انھوں نے جو کچھ کیا ہو مستبعد نہیں"۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲ ص ۲۹۹۔)

ایک ضروری نوٹ اپنی جماعت میں تھانوی صاحب کے تقدس کی جو جھوٹی شہرت ہے ہو سکتا ہے اس بنیاد پر کوئی مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا حسین احمد کو بھی جھٹلانے کے لیے تیار ہو جائے اس لیے میں تھانوی صاحب ہی کے قلم سے مالی منفعت کے سلسلے میں اُن کا ذہن بے نقاب کر دینا چاہتا ہوں تاکہ واقعہ کو سمجھنے میں درمیان کا کوئی حجاب باقی نہ رہے۔

پچھلے اوراق میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ تھانوی صاحب کسی زمانے میں کانپور مدرسۂ جامع العلوم میں مدرس تھے۔ اُس وقت وہاں کا ماحول چونکہ سر تا سر عشقِ رسول کی طہارت میں ڈوبا ہوا تھا اس لیے گھر گھر میلاد و ذکرِ رسول کی نورانی محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ حالات کے دباؤ کے تحت ایک عرصۂ دراز تک موصوف بھی اپنے عقیدے کے خلاف میلاد و قیام کے مراسم ادا کرتے رہے۔ جب دیوبندی جماعت کے بعض اکابر کی طرف سے باز پرس کی گئی تو اس کا جواب موصوف نے یہ دیا:

"وہاں میں نے بدون شرکت میلاد، قیام کرنا قریب بمحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا کیونکہ منفعت بھی ہے کہ مدرسے سے تنخواہ ملتی ہے"۔ (سیف یمانی مرتبہ مولوی منظور نعمانی صفحہ ۲۴۔)

اس مقام پر ہر دین دار مسلمان کو دعوتِ فکر دیتا ہوں وہ غیر جانب دار ہو کر اپنا فیصلہ صادر فرمائیں کہ کیا یہی ایک "مقدس رہنما" کا کردار ہے کہ وہ محض چند پیسوں کی خاطر

اپنے مذہب، اپنے ضمیر اور اپنے اعتقاد کا اس طرح خون کرے۔ تھانوی صاحب کو اگر اپنا دین پیارا ہوتا تو خدا کی زمین بہت وسیع تھی کہیں بھی وہ اپنے مذہبی تقاضوں کو پامال کیے بغیر رزق حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن کسی کی نگاہ میں سکۂ رائج الوقت ہی اگر سب کچھ ہو تو پھر عقیدہ ہی کیا ہے وہ تو اپنے آپ کو بھی بیچ سکتا ہے جیسا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی روایت سے یہ راز بھی آشکارا ہو گیا ہے۔

اب تھانوی صاحب کے ذہن کا ایک رُخ اور ملاحظہ فرمائیں۔ خرید و فروخت کی عادت نے ان کے ضمیر کو اتنا بیباک اور خوگر بنا دیا تھا کہ اخیر میں وہ دوسروں کا ضمیر خریدنے کی بات کرنے لگے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ وہ نہایت حیرت کے ساتھ چند مخصوص افراد کے متعلق اپنی اس تمنا کا اظہار کیا کرتے تھے:

"اگر میرے پاس دس ہزار روپیہ ہو سب کی تنخواہ کر دوں پھر خود ہی وہابی بن جائیں"۔ الافاضات الیومیہ ج ۴ ص ۶۷

معاذ اللہ! ذرا وہابیت کے ساتھ عشق تو دیکھیے! کہ تنخواہ دے کر کسی کو مسلمان بنانے کی خواہش نہیں پیدا ہوئی لیکن مسلمان کو وہابی بنانے کی تمنا میں جگر کا خون سوکھتا رہا۔ اب اس کے بعد بھی تبلیغی جماعت کی چلت پھرت کا مطلب کوئی نہ سمجھے تو اس کے حق میں سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اب اس سے خدا ہی سمجھے۔

دو ایجنٹوں کا باہمی رشتہ

اوپر گزر چکا ہے کہ انگریزوں نے اس تبلیغی تحریک کے ذریعہ مسلمانوں کی مذہبی آسائش کا خرمن جلانے کے لیے مولانا الیاس اور مولانا تھانوی کی خدمات حاصل کیں۔ اب ذرا اس سلسلے میں ایک آقا کے دو مشترک ایجنٹوں کا باہمی ارتباط بھی ملاحظہ فرمالیجیے تاکہ کام کی نوعیت اور تخریبی سازشوں کا پس منظر سمجھنے میں آسانی ہو۔ پہلے تھانوی صاحب کی شان میں مولانا الیاس کا یہ قصیدۂ منقبت پڑھیے۔ لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت بڑا کام ہے۔ بس میرا دل چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام

ہو جائے گی "۔ ملفوظات الیاس ص ۵۰۔

اب "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کی صحیح تصویر دیکھنا چاہتے ہوں تو مولانا الیاس کے حق میں تھانوی صاحب کا "جواب آں غزل" ملاحظہ فرمائیے۔ مولوی محمد یوسف صاحب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"حضرت اقدس تھانوی صاحب قدس سرہ العزیز کی عادت مبارکہ (تبلیغی) جماعتوں کے پہنچنے کے وقت یہ سُنی گئی کہ ان کی دعوت فرماتے، دعا فرماتے بعض دفعہ اصول سے مستثنیٰ فرماتے تھے۔ یہ بھی سُنا گیا کہ فرمایا "الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا"۔ چشمۂ آفتاب ص ۱۴۱۔

اب جہاں تک تھانوی صاحب کی تعلیمات اور ان کی تصنیفات کے ذریعہ مسلمانوں میں مذہبی خانہ جنگی اور فرقہ وارانہ انتشار کے برپا ہونے کا سوال ہے جو انگریزوں کا اصل مدعا تھا، تو اس کے کچھ نمونے پچھلے اوراق میں سپردِ قلم کر چکا ہوں۔ انھیں پڑھنے کے بعد آپ خود بھی محسوس کریں گے کہ نہایت ایمان داری کے ساتھ چھ سو روپے ماہوار کا حق نمک ادا کیا گیا ہے۔ اور پھر وظیفۂ منصبی کی یہ ادائیگی اپنے اپنے طور پر دونوں نے کی ہے۔ ایک نے فتنہ پرور لٹریچر تیار کر کے اور دوسرے نے تبلیغ و دعوت کا دلفریب طریقہ ایجاد کر کے۔

اس بحث کے خاتمے پر ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مولانا تھانوی اور مولانا الیاس کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ الزام نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کے راوی خود ان کے معتقدین ہیں کسی دشمن کی اڑائی ہوئی خبر نہیں ہے۔

یہاں تک کہ گھر کا راز گھر والوں نے فاش نہ کیا ہوتا تو ہمیں اس کی ہوا بھی نہ لگتی۔ اس لیے اس امر کے یقین کرنے میں اب کوئی چیز حائل نہیں ہے کہ ان حضرات کی دعوت و تبلیغ کی کہانیوں کے پیچھے اسلامی جذبۂ اخلاص کی بجائے "ساحرانِ افرنگ" کے "جذبۂ حق نمک کی سرتا سر کار فرمائی ہے۔"

بھارت کی فرقہ پرست جماعتوں کے ساتھ تبلیغی جماعت کا تعلق

یہاں تک تو بدیشی دشمنوں کے ساتھ تبلیغی جماعت کے ساز باز کا قصہ تھا اب اپنے وطن کی فرقہ پرست جماعتوں کے ساتھ تبلیغی جماعت کے خفیہ تعلقات کی داستان پڑھیے۔

صوبۂ بہار میں بتیا نام کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ وہاں ۱۹۶۸ء میں تبلیغی جماعت کا ایک عالمی اجتماع ہوا تھا۔ اس اجتماع کا حال لکھتے ہوئے کانپور کے ایک دیوبندی اخبار نے ایک نہایت سنسنی خیز خبر شائع کی تھی۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اس خبر سے ہند و پاک کے بیس کروڑ مسلمانوں پر ایک سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس خبر میں گھر میں ناتجربہ کار بھیدی نے پہلی بار لنکا ڈھائی ہے۔ بتیا میں تبلیغی جماعت کا جو اجتماع ہوا تھا اس کا سارا انتظام جن سنگھی اور مہا سبھائی ہندوؤں نے کیا تھا۔ خبر کا اصل متن یہ ہے:

"منتظمین کون تھے؟ غیر مسلم ذہنیت جن سنگھی اور مہاسبھائی، اور جن کے لیے انتظام کیا جا رہا تھا۔ وہ کون تھے؟ مسلمان!"۔ پیامِ ملت کانپور ۱۵ فروری ۱۹۶۸ء ص ۵۔

دوسرے پیراگراف میں تبلیغی جماعت کے ساتھ جن سنگھیوں کے گہرے تعلق اور پُراسرار وابستگی کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا گیا ہے:

"کوئی مورچھل لے کر ہوا کرنے دوڑتا ہے اور کوئی وضو کے لیے حوض کو تیار کر رہا ہے۔ راشن کی دکانیں، شکر کی وافر مقدار اور کھانے کا اعلیٰ انتظام کرنے میں ایک دوسرے پر بازی لیے جا رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ ان رشیوں اور منیوں کو جنھوں نے خدا کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر ویرانہ کو آباد کیا ہے دنیا کے بدلے آخرت کی تیاری کے لیے فوراً خود کو وقف کر دیا ہے، کوئی تکلیف نہ ہو"۔ پیامِ ملت ۱۵ فروری ۶۸ء ص ۵۔

اس خبر کے ساتھ قارئین یہ قیامت انگیز خبر بھی منسلک کر لیں تو ذہن کا استعجاب دوچند ہو جائے گا کہ بتیا کے اس اجتماع کی تقریباً وہی تاریخیں تھیں جن تاریخوں میں تھوڑے

ہی فاصلے پر سر سنڈ کی مسلم آبادی فرقہ پرستی کی آگ میں جل رہی تھی اور جہاں جن سنگھی اور مہا سبھائی درندوں کے ہاتھوں گلی گلی میں آگ اور خون کی ایک ہولناک قیامت برپا تھی۔

ایک چبھتا ہوا سوال

لیکن حیرت میں ڈوب جانے کی بات یہ ہے کہ جو جن سنگھی اور مہا سبھائی مسلمانوں کو اصل زندگی ہی سے محروم کر دینا اپنا سب سے بڑا دھرم سمجھتے ہیں۔ وہ بینا میں تبلیغی جماعت کے لیے "ضروریاتِ زندگی" فراہم کرنے میں کیوں اتنے پیش پیش تھے۔ آخر ہزار جتن کے باوجود بھی احترام و ہمدردی کا جو رشتہ قرآن اور مسجد کے ساتھ اب تک قائم نہیں ہو سکا وہ تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ کیونکر عالم وجود میں آگیا۔

سر راہے کسی بڑے سے بڑے دشمن اسلام سے چند لمحے کا تعاون بے کسی تعلق کے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن دو منظم جماعتوں کے درمیان کفالت و اشتراک کا یہ گہرا رشتہ بغیر کسی خفیہ تعلق کے ہرگز وجود میں نہیں آسکتا۔

پھر ہماری حیرت اس مرحلے میں پہنچ کر اور دوچند ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ساتھ تو اتنی سخت دشمنی کہ نام تک سننا گوارا نہ ہو لیکن اسی اسلام کے نام پر جمع ہونے والوں سے اتنا پیار کہ ان کے پیچھے پیچھے مورچھل جھلیں، وضو کے لیے حوض تیار کرائیں اور ان کے کھانے پینے کا اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں۔

آخر ساری دنیا عقل کے اندھوں سے تو نہیں آباد ہے ایک ہی محل میں دو متضاد حقیقتوں کا اجتماع بغیر کسی خارجی محرک کے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ اس لیے اسباب کی دنیا میں اب یہ راز بے نقاب کرنا ہی ہوگا کہ آخر تبلیغی جماعت کے ساتھ جن سنگھیوں اور مہا سبھائیوں کا وہ کون سا درپردہ تعلق ہے جس نے انھیں اسلام کا تو دشمن لیکن تبلیغی جماعت کا ہمدرد بنا دیا ہے۔

سیاسی بصیرت رکھنے والے دانشوروں کا کہنا ہے کہ کمیونزم کو شکست دینے کے لیے دھرم کے نام پر چونکہ یہ تینوں جماعتیں امریکہ کی ریزہ خوار ہیں اس لیے تبلیغی جماعت، جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا کے درمیان اگر بیچ کا کوئی رشتہ نکل آئے تو چنداں تعجب خیز

امر نہیں ہے۔

ویسے نہ بھی اس راز سے پردہ اُٹھایا جائے جب بھی دشمنان اسلام کے ساتھ کسی خفیہ سازش کو سمجھنے کے لیے اب ہمیں کسی نئے قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ دماغ میں اگر دینی بصیرت کا چراغ بجھ نہیں گیا ہے تو منافقین مدینہ کا کردار معلوم کرنے کے لیے اسی نشانیاں بہت ہیں۔

ایک خوشنما فریب کا ازالہ

دیوبندی اخبار مذکور کے ایڈیٹر نے تبلیغی کے ساتھ جن سنگھیوں کے اس خفیہ تعلق کو اس انداز میں پیش کیا ہے جیسے یہ سارا کرشمہ تبلیغی جماعت کے قدسی نفوس بزرگوں کی روحانی کشش کا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ تبلیغی جماعت والوں میں اتنی ہی اثر انگیز اور پُرکشش رُوحانیت تھی تو اس کا ظہور صرف کھانے پینے کے اعلیٰ انتظام ہی تک کیوں محدود تھا۔ اپنے تقدس کی باطنی قوت تسخیر سے کسی کافر کو مسلمان بھی بنایا ہوتا تو ہم جانتے۔ بہت تیر مارا تو گھر ہی میں بیٹھ کر مسلمانوں سے کلمہ پڑھوا لیا۔ آج تک توفیق نہیں ہوئی کہ گھر سے باہر کسی غیر مسلم سے کلمہ پڑھواتے۔ کمائی ہوئی چیز کو کمانا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ باہر سے کما کر لایا جائے۔

ایک اہم راز کا انکشاف

باہر کے لوگوں سے کلمہ پڑھوانے کی بات درمیان میں آگئی ہے تو اس راز کو بھی فاش کر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان حضرات کے نمائشی جذبۂ تبلیغ سے کوئی دھوکہ نہ کھائے۔

ابھی حال ہی کا قصہ ہے کہ "حمید دلوائی" نام کے کسی صاحب نے گجرات کے سفر سے واپسی پر تبلیغی جماعت کے متعلق ایک بیان دیا تھا۔ اُن کے بیان پر "نشیمن" اخبار بنگلور کا یہ تردیدی نوٹ ملاحظہ فرمائیے۔ واضح رہے کہ یہ اخبار تبلیغی جماعت کا کٹر حامی ہے۔

اخبار کا مدیر حمید دلوائی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"تم نے گجرات کا دورہ کر کے احمد آباد میں تبلیغی جماعت کے متعلق سے جو

بیان دیا ہے اور نیکوکاروں کی اس جماعت کو بدنام کرنے اور اس کے ساتھ غلط باتوں کے منسوب کرنے کی جو مہم شروع کی ہے اس میں تم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ ذلّت آمیز شکست کھاؤ گے"۔ نشیمن بنگلور ۱۱۔ مئی ۱۹۶۹ء۔

اب ان "بدنام کرنے والی غلط باتوں" کی تفصیل پڑھیے۔ لکھتا ہے:

"اگر تم نے یہ ثابت کر دیا کہ گجرات کے سرحدی علاقوں میں تبلیغی جماعت کے افراد نے دوسروں کو مسلمان بنایا ہے یا ایسی کوئی مہم شروع کی ہے یا کسی کو ورغلایا ہے یا مسلمان بننے کی دعوت دی ہے تو ہم قانون کے تحت سزا بھگتنے کو تیار ہیں (چند سطروں کے بعد) تبلیغی جماعت نے کبھی مذہبی جذبات کو اُبھارنے کی کوشش نہیں کی"۔ نشیمن بنگلور ۱۱ مئی ۱۹۶۹ء۔

ہندوستان کا دستور بنیادی طور پر مذہبی آزادی کا حق تسلیم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں تک مذہب کی تبلیغ کے لیے ترغیبی دعوتوں کا تعلق ہے یہ قانون کی نظر میں قطعاً کوئی جرم کی بات نہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ تبلیغی جماعت کو اپنے اس جائز حق کے استعمال سے بھی انکار ہے اور انکار ہی نہیں بلکہ فخر کے ساتھ وہ اپنے مذہبی گریز کا اعلان بھی کرتی ہے۔ جبکہ اسی ہندوستان میں عیسائیوں کا مشن پوری آزادی اور بھرپور عزم وارادہ کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغی دعوتوں میں شب و روز مصروف ہے۔

یہیں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی آواز غیروں تک پہنچانا تبلیغی جماعت کا قطعاً مقصودِ عمل نہیں بلکہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ افراد کو ایک خاص فرقے میں تبدیل کر کے انھیں خیالات کے الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دینا اس کی تمام تر جد و جہد کا واحد مقصد ہے۔

تبلیغی جماعت کے اخراجات اور آمدنی کے ذرائع

تبلیغی جماعت کے مذہب و اعتقاد کا مسئلہ اتنا صیغۂ راز میں نہیں ہے جتنا اس کا شعبۂ مالیات ہے۔ چنانچہ کروڑوں انسانوں کے درمیان یہ بات اب تک موضوع بحث بنی ہوئی ہے کہ تبلیغی جماعت اپنے وسیع کاروبار کے لیے سرمایہ کہاں سے لاتی ہے۔

تبلیغی جماعت کے عام اخراجات کو تین مدات میں آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے؛

۱۔ اجتماعات

۲۔ تنخواہ دار امرائے جماعت

۳۔ مرکز نظام الدین دہلی

اب ذیل میں الگ الگ سب پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ جذبۂ انصاف کے ساتھ ان مراحل سے گزرنے کی کوشش کریں گے۔

اجتماعات

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ علاقائی، کل ہند اور عالمی اجتماعات کے نام سے سال میں پچاسوں اجتماعات ان کے ہوتے ہیں اور ان کے بیان کے مطابق ہر اجتماع میں شرکاء کی تعداد تیس ہزار سے لے کر پچاس ہزار کے لگ بھگ ہوا کرتی ہے۔ جبکہ عالمی اجتماعات میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اب اس سلسلے میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ آخر ہندوستان میں اور بھی دوسری مذہبی و سیاسی جماعتیں ہیں جن کے پاس کافی سرمایہ بھی ہے اور وسیع ذرائع کے ساتھ پُرجوش کارکنوں کی ٹیم بھی۔ لیکن عالمی اور کل ہند اجتماع تو در کنار وہ ہر ماہ علاقائی اجتماع بھی نہیں کر پاتیں۔ آخر تبلیغی جماعت والوں کے پاس کہاں سے اتنا دھن پھٹ پڑا ہے کہ ہر دو ایک مہینے پر وہ علاقائی کل ہند اور عالمی اجتماعات کی مد میں لاکھوں لاکھ روپے خرچ کر ڈالتے ہیں۔

تیس ہزار افراد میں سے فی کس کا اوسط خرچ پچاس روپے بھی رکھا جائے جب بھی پندرہ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر اتنی بڑی رقم ہر مہینے کہاں سے ان کے

پاس آجاتی ہے ——— آپ کہیں گے اجتماع میں شریک ہونے والے افراد میں سے ہر شخص خود ہی اپنے اخراجات کا بار اٹھا لیتا ہے میں کہوں گا اوّل تو دینی بے حسی کے اس دور میں یہ سوچنا ہی مشکل ہے۔ ثانیاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی زیادہ سے زیادہ آمد و رفت کا کرایہ مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے لیکن نظم و نسق، روشنی، پانی، قیام و طعام اور پنڈال وغیرہ کا سارا انتظام تو جماعت ہی کو کرنا پڑتا ہے جبکہ کسی وسیع پیمانے پر انتظام کے لیے یہ خرچ بھی لاکھوں کی تعداد سے کم نہیں ہے۔

تنخواہ دار امرائے جماعت

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تبلیغی جماعت کے نظام عمل میں ہزاروں ایسے افراد ہیں جو حلقہ وار، علاقائی اور کل ہند سطح پر شب و روز جماعت ہی کا کام کرتے ہیں جو تبلیغی جماعت کے تنخواہ دار کارکن کہے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے معاشی وسائل سے دست بردار ہو کر لگاتار اور مستقل طور پر کسی جماعت کا مفت کام نہیں کر سکتا اس لیے اُن کی تنخواہوں اور سفروں کے سلسلے میں آمد و رفت کے کرایہ جات پر جتنی بھاری رقم ہر ماہ صرف کی جاتی ہے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

مرکز نظام الدین دہلی

مرکز کے اخراجات تین مدوں میں پھیلے ہوئے ہیں:

۱۔ مدرسہ کاشف العلوم، جس کے اخراجات میں مدرسین کی تنخواہوں اور طلبہ کے خورد و نوش کا خرچ بھی شامل ہے۔

۲۔ تبلیغی جماعت کا لنگر خانہ، جہاں سے آنے جانے والے سینکڑوں افراد کو صبح و شام مفت کھانا پیش کیا جاتا ہے۔ دونوں وقت ملا کر کھانے والوں کا اوسط پانچ سو بھی رکھا جائے جب بھی بیس ہزار ماہوار سے کم خرچ نہیں ہے۔

۳۔ تبلیغی اسٹاف، جماعت کے وہ مرکزی علماء جو ذہن و فکر کا شکار کرنے کے لیے شب و روز وہاں رہتے ہیں اور اس فن میں انھیں خاص مہارت حاصل کی ہے۔ یہ تنخواہ دار دستہ مختلف صوبوں کے افراد پر مشتمل ہے۔ ان کی تنخواہوں پر بھی بہت بڑی رقم ہر ماہ خرچ کی جاتی ہے۔

آمدنی کے ذرائع اتنے بڑے کاروبار کو چلانے کے لیے جتنے وافر سرمائے کی ضرورت ہے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ حالات کا یہ ایک قدرتی سوال ہے جسے دبایا نہیں جا سکتا کہ ہر ماہ اتنی خطیر رقم تبلیغی جماعت کہاں سے حاصل کرتی ہے؟ آپ کہیں گے تبلیغی جماعت کو ہند و پاک کے متمول طبقے کی سرپرستی حاصل ہے اس لیے اجتماعات سے لے کر مرکز تک کے سارے اخراجات انہی کے چندوں سے پورے کیے جاتے ہیں۔

لیکن یہ معلوم کر کے آپ پر سکتہ طاری ہو جائے گا کہ یہ لوگ کسی سے بھی کسی طرح کا چندہ نہیں لیتے، جیسا کہ مولانا محمد یوسف صاحب کے سوانح نگار نے اپنی کتاب میں اس سلسلے کے متعدد واقعات نقل کیے ہیں۔ ذیل میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

پہلا واقعہ مرکز کے اخراجات کے سلسلے میں کتاب کا مصنف لکھتا ہے:

"مولانا کے ابتدائی دور ہی کا واقعہ ہے کہ مرکز حضرت نظام الدین کے آنے جانے والوں اور مدرسہ کے لیے جو لنگر جاری تھا اور اب بھی جاری ہے اس سلسلے میں قرض کی رقم بہت دنوں تک ادا نہ ہو سکی۔ جس دکان سے سامان آتا تھا اس کے مالک نے تقاضا کیا۔ اس قرض کی ادائیگی نیز مستقل انتظام کے لیے دہلی کے چند باتوفیق اور مولانا سے تعلق رکھنے والے دوستوں نے بلا مولانا کے علم میں لائے پچیس ہزار کی رقم اس کے پاس جمع کر دی اور آپس میں طے کیا کہ مولانا کے علم میں یہ بات بالکل نہ لائی جائے اور یہ رقم مرکز کے انتظام میں خرچ کی جائے۔" ـ سوانح مولانا محمد یوسف ص ٦٦١

اس کے بعد لکھتا ہے کہ مولانا کو اس واقعہ کا علم ہوا تو ان لوگوں کو بلوا کر مولانا نے ارشاد فرمایا:

"آپ لوگوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا لیکن میرے ساتھ یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔ جب اس طرح کے انتظام آپ لوگ کریں گے تو اللہ کی مدد کے

قابل نہ رہیں گے۔"

بروایت مولانا منظور نعمانی واقعات کا مرتب لکھتا ہے:

"اس کے بعد مولانا نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی رقم لے لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا":۔ کتاب مذکور ص ۶۶۲

دوسرا واقعہ کرنل اقبال نامی کسی شخص نے اپنی جائداد کا کچھ حصہ مرکز کے مدرسہ پر وقف کیا جس کی اجازت لینے کے لیے مرکز نظام الدین میں آ کر اس نے دفتر کے منشی سے ملاقات کی اور اس کا اظہار کیا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود سوانح نگار کی زبانی سنیے۔ لکھتا ہے:

"اسی اثناء میں مولانا محمد یوسف بھی آ گئے اور پوچھا کیا کر رہے ہو؟ حقیقت حال بتائی گئی تو بہت ہی زیادہ ناراض ہو گئے اور واضح الفاظ میں فرمایا: "مجھے اپنے یا مدرسہ کے لیے کوئی جائداد نہ چاہیے"۔: سوانح مولانا محمد یوسف ص ۶۶۲۔

تیسرا واقعہ لکھتے ہیں کہ مولانا محمد یوسف صاحب کی تصنیف "حیاۃ الصحابہ" کی طباعت کے اخراجات کے لیے حیدر آباد اور بمبئی کے چند متمول احباب نے مبلغ دس ہزار روپے کی خطیر رقم جمع کی اور چاہتے تھے کہ بالا بالا طباعت کے سارے مراحل طے ہو جائیں۔

اب اس کے بعد کا واقعہ خود سوانح نگار کی زبانی سنیے، لکھتا ہے:

"لیکن مولانا کو اس کی اطلاع کسی نہ کسی طرح ہو گئی تو آپ نے ساری رقم واپس کروا دی اور کاغذ و طباعت کے لیے جتنی رقم درکار تھی وہ خود ہی بھیجی"۔

:۔ کتاب مذکور ص ۶۶۳۔

چوتھا واقعہ مولانا محمد یوسف کا یہی سوانح نگار لکھتا ہے:

"مولانا محمد الیاس صاحب کے انتقال کے تقریباً چار ماہ بعد ایک بڑے تاجر جو حضرت مولانا محمد الیاس کے بڑے عقیدت مند تھے، تشریف لائے

اور مولانا کی خدمت میں ایک بڑی رقم پیش کی، مولانا نے لینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد سے میرا کیا تعلق تھا وہ مجھ سے کتنی محبت فرماتے تھے لیکن مولانا نے فرمایا مجھ کو یہ رقم نہ چاہیے"۔

:۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۶۶۳۔

انکار کا التزام

واضح رہے کہ انکار اور عدم قبول کے یہ واقعات کچھ اتفاقی نہیں تھے کہ انھیں کسی مخصوص حالت پر محمول کیجیے بلکہ مولانا کا دستور ہی یہ تھا کہ وہ کسی سے بھی کسی طرح کی امدادی رقم قبول نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ اُن کا سوانح نگار اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"انھوں نے اپنی دینی تحریک (تبلیغی جماعت) اپنے مدرسہ (کاشف العلوم) اور اپنے ادارہ کے لیے کسی رقم کا قبول کرنا کسی کی مدد گوارا نہیں کی۔" :۔ سوانح مولانا محمد یوسف ص ۶۶۰۔

ایمان و دیانت کے جذبے سے سرشار ہو کر بتایئے کہ اب یہ سوال سر پہ چڑھ کر آواز دے رہا ہے یا نہیں، کہ جب وہ کوئی بھی رقم اور کسی کی بھی امداد قبول نہیں کرتے تھے تو لاکھوں لاکھ روپے مصارف کا اتنا بڑا کارخانہ کیوں کر چلتا تھا اور چل رہا ہے۔

آپ کہیں گے خدا چلاتا تھا اور چلا رہا ہے۔ میں کہوں گا بات سو فیصدی درست! لیکن اس عالم اسباب میں ظاہری وسائل کی تلاش و طلب سے جب خدا کے سب سے بااختیار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انکار نہیں فرمایا اور انھوں نے بھی دین کی ضرورتوں کیلئے اپنے صحابہ کی مالی پیش کش قبول فرمائی تو اُن سے بڑھ کر اب کون خدا کا بندہ مقرب ہے جس کے لیے آسمان سے "آب زر" کی بارش ہوگی —— صرف خزانۂ غیب سے اگر دین کا کاروبار چل سکتا ہے تو اسلام میں زکوٰۃ کا سسٹم کیوں مقرر کیا جاتا۔

تبلیغی جماعت کا دستِ غیب

اس لیے ان حالات میں لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تبلیغی جماعت کی اس "بے لاگ جد و جہد" اور "نمائشی جذبۂ ایثار" کے پیچھے یقیناً نجدی حکومت کا "ریال" اور مغربی اقوام کا

"ڈالر" کارفرما ہے۔ یُوں بھی" اول با آخر نسبتے دارد" کے اصول پر جب ابتدا میں حکومت برطانیہ کی مالی امداد تبلیغی جماعت کے شریکِ حال رہی ہے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ آج بھی اسی طرح کا کوئی "دستِ غیب" تبلیغی جماعت کے پاس موجود ہو جیسا کہ واقعات کی روشنی میں ہم پچھلے صفحات میں اس کے قریبی اسباب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ مولانا محمد یوسف کے متعلق ان بیانات کی تصدیق کرنے کے بعد کہ وہ کسی سے کوئی چندہ یا مالی امداد قبول نہیں کرتے تھے یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ آمدنی کا کوئی ایسا خفیہ ذریعہ جسے ظاہر نہیں کیا جا سکتا تبلیغی جماعت کے پاس ضرور موجود ہے ورنہ اس کے مرکزوں میں وسیم وزر کی یہ بہتی ہوئی نہریں کب کی سُوکھ گئی ہوتیں۔

اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اب یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ غیروں کے سرمائے سے جو تحریک پروان چڑھائی جا رہی ہے وہ اسلام کا منشا پُورا کرے گی یا اپنے آقایانِ نعمت کا۔ اس تحریک کی پشت پر نجدی حکومت کا ریال ہو یا مغربی اقوام کا ڈالر، دونوں کا منشا یہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کے عشق کی تپش باقی نہ رہے۔ خدا اس منحوس گھڑی سے ہماری زندگی کو بچائے جب ہماری رگوں کا اُچھلتا ہوا خون ایمان کی گرمی سے محروم ہو کر سرد ہو جائے۔

اتنی تفصیل کے بعد بھی اگر تبلیغی جماعت کی ہلاکت خیزیوں کو محسوس کرنے کے لیے آپ کے ذہن کا کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو تو ورق اُلٹیے اور پانچویں باب کا مطالعہ کیجیے۔

باب ۵

تبلیغی جماعت کے ظاہری محاسن کا جائزہ

یہاں تک تو میں نے تبلیغی جماعت کے عقائد و افکار، اغراض و مقاصد اور اس کی سرگرمیوں کے متوقع نتائج پر گفت گو کی ہے۔ اب میں انصاف و دیانت کے ساتھ تبلیغی جماعت کے ان ظاہری محاسن کا جائزہ لینا چاہتا ہوں جن کی نمائش کر کے وہ مسلمانوں میں رسوخ پیدا کرتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ ان ظاہری محاسن کی وجہ سے جو لوگ تبلیغی جماعت پر شیفتہ ہیں انھیں حقیقت کے اُجالے میں لانے کے لیے ذیل کی چند سطریں بہت مفید ثابت ہوں گی جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے تبلیغی جماعت کے ظاہری محاسن کو دو عنوانات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱۔ مسلمانوں میں دینی زندگی برپا کرنے کی جد وجہد۔

۲۔ بیرونی ممالک میں دین کی تبلیغ۔

اب ذیل میں ہر ایک کی قرار واقعی حیثیت پر تنقیدی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمانوں میں دینی زندگی برپا کرنے کی جدّوجہد

تبلیغی جماعت کے سلسلے میں عام طور پر لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اس کے اندر فکر و اعتقاد کی ہزار خرابی کے باوجود اس اچھائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی تبلیغی جد وجہد کے ذریعہ لوگوں میں دین کے ساتھ وابستگی کا ایک والہانہ جذبہ پیدا کر رہی ہے اس لیے ہم اس کی برائیوں کو نظر انداز کر کے صرف اس کی اچھائیوں کی طرف بڑھیں تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

اس طرح کے خیالات کی تردید کے لیے بجائے اس کے کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات

کہوں، تبلیغی جماعت کے سرگرم حامی مولانا عامر عثمانی ایڈیٹر "تجلی" دیوبند کی یہ تحریر اپنے قارئین کے سامنے پیش کر دینا زیادہ مفید سمجھتا ہوں موصوف لکھتے ہیں:

"عقیدہ و خیال کی ایک خرابی بھی بعض مرتبہ اتنی شدید ہوتی ہے کہ تمام اعمال خیر فاسد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان نہ رکھتا ہو یا صحابۂ کرام کی عزت اس کے دل میں نہ ہو یا احادیث صحیحہ کو تاریخ سے زیادہ وقعت نہ دیتا ہو تو ان میں سے ہر بات بجائے خود اتنی قبیح ہے کہ اُس کی قباحت حُسنِ عمل کا پُورا دفتر بھی کم نہیں کر سکتا اور جہاں یہ قباحت پائی جائے گی وہاں اگر نکوکاری کے پہاڑ بھی کھڑے ہوں تو بھی یہی کہا جائے گا کہ ان کا کوئی اعتبار نہیں۔" :۔ تجلی جون ۵۸ء صد ۱۹

غور فرمائیے! عقیدہ و خیال کی صرف ایک خرابی کا جب یہ حال ہے تو جہاں بد عقیدگی کی شقاوتوں سے دفتر کے دفتر سیاہ ہو گئے ہوں وہاں نکوکاری کی نمائش کیا کام آ سکتی ہے۔ تبلیغی جماعت کے باطل عقائد و خیالات کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ زحمت نہ ہو تو ورق اُلٹ کر پڑھ لیجیے۔

مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی پر تھانوی صاحب کا کفر کا فتوٰے

اب اسی طرح کے حالات سے متعلق تبلیغی جماعت کے "سرچشمہ ہدایات" مولانا تھانوی صاحب کا ایک فتوٰی ملاحظہ فرمائیے، جس کی بابت مولانا عبد الماجد دریابادی نے اپنی کتاب "حکیم الامتہ" میں مولانا امین احسن اصلاحی کا ایک خط نقل کیا ہے۔ یہ خط اس دور کا ہے جبکہ مولانا اصلاحی مدرستہ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے منتظم تھے۔ موصوف کے خط کا یہ حصّہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے:

"مولانا تھانوی کا فتوٰی شائع ہو گیا ہے کہ مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کافر ہیں۔ اور چونکہ مدرسہ انہی دونوں کا مشن ہے اس لیے "مدرستہ الاصلاح" مدرسۂ کفر و زندیق ہے۔ یہاں تک کہ جو علماء اس مدرسہ کے (تبلیغی، جلسوں

میں شرکت کریں وہ بھی ملحد و بے دین ہیں۔"۔ حکیم الامتہ ص ۴،۵۔

اصلاحی صاحب کا یہ خط موصول ہونے کے بعد مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک مفصل خط تھانوی صاحب کو لکھا جس میں انھوں نے مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے ان کی عبادت اور ریاضت اور نماز تہجد وغیرہ کا ذکر کر کے اُن کے ایمان و تقویٰ کا اظہار کیا تھا۔

تھانوی صاحب نے ان کے خط کا جواب یہ دیا:

"یہ سب اعمال و احوال ہیں۔ عقائد ان سے جداگانہ چیز ہے۔ صحت عقائد کے ساتھ فساد اعمال و احوال اور فساد عقائد کے ساتھ صحت احوال و اعمال جمع ہو سکتا ہے"۔ حکیم الامتہ ص ۶،۷۔

اب لگے ہاتھوں تھانوی صاحب کا ایک بیان اور پڑھ لیجیے۔ فرماتے ہیں:

"بد دین آدمی اگر دین کی بھی باتیں کرتا ہے تو اُن میں ظلمت لپٹی ہُوئی ہوتی ہے۔"

اس کی تحریر کے نقوش میں بھی ایک گونہ ظلمت لپٹی ہوئی ہوتی ہے اس لیے بے دینوں کی صحبت اور بے دینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہیے"۔ کمالات اشرفیہ ص ۵۵۔

فیصلے کی کسوٹی اب اس مقام پر میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ تبلیغی جماعت کی بدعقیدگی اور بے دینی کے جو واضح ثبوت میں نے خود ان کی کتابوں سے پچھلے صفحات میں فراہم کیے ہیں یا تو انکار کر دیا جائے کہ وہ کتابیں ان کی نہیں ہیں یا میں نے جھوٹے الزامات لگائے ہوں تو ثابت کر دیا جائے کہ میرے حوالے غلط ہیں اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہو پاتی تو سُن لیا جائے کہ نماز و تقویٰ کی لالچ میں اصل دین ہی سے ہاتھ دھو بیٹھنا دین داری نہیں، بلکہ دین داری کے نام پر دین سے کُھلی ہوئی بغاوت ہے —— صلاحیتوں کی تخریب، محنتوں کا اسراف اور وقت کی بربادی ہے۔

اور پھر تھانوی صاحب کے نزدیک جب بدعقیدہ لوگوں کا قائم کیا ہوا مدرسہ، "رسۂ کفر و زندقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اُس مدرسہ کے تبلیغی جلسہ میں شرکت کریں وُہ بھی

ملحد و بے دین ہیں تو تبلیغی جماعت، جو گزشتہ حوالوں کی روشنی میں خود بھی اسی طرح کے الزامات کی زد میں ہے، اس کے ساتھ کسی طرح کی وابستگی کیونکر کسی دینی منفعت کا ذریعہ بن سکے گی۔

اس لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ تبلیغی جماعت کے متعلق خوب و ناخوب کا فیصلہ کرتے وقت دیکھنے کی چیز یہ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں میں دینی زندگی برپا کرنے کی جد وجہد کیا کرتی ہے، دراصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ بے دین اور بدعقیدہ تو نہیں ہے۔ کیونکہ بقول تھانوی صاحب کے بد دین اگر دین کی بھی باتیں کرتا ہے تو اُن میں ظلمت لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اب جہاں تک تبلیغی جماعت کی بد دینی کا سوال ہے تو گزشتہ اوراق میں اس کی تفصیل سپرد قلم کی جا چکی ہے۔

مقدمہ کی ایک نظیر

اس سلسلے میں ذہن و فکر کی بساط اُلٹ دینے والی ایک ناقابلِ تردید شہادت اور ملاحظہ فرمائیے:

غالباً آپ اس سے بے خبر نہ ہوں گے کہ ہند و پاک میں دین کی منظم تحریک کے نام سے تبلیغی جماعت کے علاوہ بھی ایک جماعت ہے جس کا نام " جماعت اسلامی" ہے۔ یہ جماعت بھی اپنے نعروں، اپنے تبلیغی اور اصلاحی اقدامات، اپنی پُرسوز جد وجہد اور اپنے ظاہری ہیکل کے اعتبار سے بڑی پُرکشش، بیحد خوشنما اور انتہائی دلفریب جماعت ہے جیسا کہ اس کا اعتراف خود تبلیغی جماعت کے مرکزی رہنماؤں نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جماعت اسلامی کے متعلق اپنے تاثرات کا ان لفظوں میں اظہار فرماتے ہیں:

> "میں نے اس تحریک کے لٹریچر کا بنیادی حصہ اور بعض ٹریکٹ اور پمفلٹ بالاستیعاب دیکھے۔ جہاں تک نفس تحریک حکومت الٰہی اور اس کے نصب العین کا تعلق ہے مجھے اس میں کوئی چیز خلافِ شریعت محسوس نہیں ہوئی بلکہ تعمیری رنگ میں یہ ایک اچھی اور مفید تحریک ہے"۔ کلام طیب ص ۹۲ شائع کردہ دیوبند۔

اب انھی قاری طیب صاحب کے ولی عہد مولوی محمد سالم صاحب کی یہ تحریر پڑھیے اور ذہن کی تختی پر نوٹ کرتے جائیے:

"کتنا خوش آیند ہے وہ عنوان جس کو جماعت اسلامی نے اپنے نصب العین کی حیثیت سے پیش کیا ہے یعنی دعوت ایمان باللہ، نفاق و تناقض سے حیات مومن کو پاک کرنا اور زمامِ اقتدار کو فسّاق و فجّار سے لے کر مومنین صالحین کے ہاتھوں میں دے دینا۔" ؂ حقیقتِ معراج ص ۵ شائع کردہ دیوبند۔

اخیر میں دار العلوم دیوبند کے ایک مدرس کا یہ قصیدۂ منقبت اور ملاحظہ فرمائیے — لکھتے ہیں:

"اس جماعت کے نصب العین کا عنوان نہایت پاکیزہ ہے یعنی حکومت الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ظاہر ہے کہ اس مبارک مقصد سے کسی ادنیٰ درجے کے مسلمان کو بھی اختلاف کا موقع نہیں اور ہم حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم سب کو یہ سعادت عطا فرمائے۔" ؂ تنبیہات ص ۴۔

غور فرمائیے! مذکورہ بالا بیانات میں کتنی فراخ دِلی کے ساتھ جماعت اسلامی کے لٹریچر، نصب العین اور مقاصد کی خوبیوں، ضرورتوں اور منفعتوں کا اعتراف کیا گیا ہے اس نے تبلیغی جماعت کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔ بلکہ بزعمِ خود اس راہ میں جماعت اسلامی اتنا آگے نکل گئی ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کو بھی ناقص اور غیر تشفی بخش سمجھتی ہے جیسا کہ دار العلوم دیوبند کے یہی مدرس صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"جماعت تبلیغ جس کو حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے قائم فرمایا تھا وہ بھی علامہ مودودی کی نظر میں خدمت تبلیغ کے اعتبار سے قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ چنانچہ روداد اجتماع سوم ص ۱، پر تجویز ۱ میں علامہ مودودی سے یہ درخواست کی گئی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عوام میں کام کرنے کے لیے مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم کے طریقۂ تبلیغ کو اختیار کیا جائے۔" اس تجویز کے بارے میں حسب ذیل الفاظ قابل ذکر ہیں۔ فرماتے ہیں: میں نے جس حد تک ان کے طرز تبلیغ سے واقفیت بہم پہنچائی ہیں اس پر مطمئن نہیں ہوں۔" ؂ تنبیہات ص ۱۲ مطبوعہ دیوبند۔

لیکن یہ معلوم کرکے آپ حیران رہ جائیں گے کہ اتنی عظیم خوبیوں اور دینی منفعتوں کے اعتراف کے باوجود جماعت اسلامی کے متعلق علمائے دیوبند، سہارنپور، جمعیتہ العلماء اور تبلیغی جماعت کا متفقہ فیصلہ یہ ہے:

"مودودی تحریک جو جماعت اسلامی کے نام سے ہند اور پاکستان میں چلائی جارہی ہے دیوبند، سہارنپور، دہلی، پھلواری شریف، خانقاہ امدادیہ (تھانہ بھون) اعظم گڑھ، لکھنؤ، جونپور، مئو، خانقاہ رحمانیہ (مونگیر)، سورت، ڈابھیل، بمبئی، کانپور، مدارس، دائرہ شاہ اجمل الہ آباد وغیرہ کے مفتی صاحبان اور معمر علماء کی اکثریت اس جماعت کو مسلمانوں کے لیے مضر سمجھتی ہے۔

اور جمعیتہ علماء، تبلیغی جماعت، احرار، مسلم لیگ اور اہلحدیث جماعتی حیثیت سے تحریک کے اندر مذہبی اور سیاسی گمراہیاں پاکر مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ مسلمان اس جماعت سے کنارہ کش رہیں۔ دین کی سلامتی اسی میں ہے۔"

:۔ حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۰۷۔

خود ہی اپنا فیصلہ

اب آپ ہی انصاف سے بتلائیے کہ اسی طرح کی مذہبی گمراہیاں اگر تبلیغی جماعت کے اندر بھی موجود ہوں تو مسلمانوں کو یہ مشورہ دینا حق بجانب ہوگا یا نہیں کہ وہ اس جماعت سے کنارہ کش رہیں دین کی سلامتی اسی میں ہے۔

اب جہاں تک تبلیغی جماعت کے اندر مذہبی گمراہیوں کے موجود ہونے کا سوال ہے تو پچھلے اوراق میں ان کی واضح طور پر نشان دہی کر دی گئی ہے۔ میری نشان دہی سے اگر کسی کو اختلاف ہو تو وہ بجا طور پر مجھے چیلنج کر سکتا ہے لیکن میری نشان دہی کی صحت واضح ہو جانے کے بعد حق و انصاف کے مطالبے سے راہ گریز اختیار کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ روش قطعاً معقول نہ ہوگی کہ ایک ہی کیس کا فیصلہ کسی جماعت کے حق میں صرف اس لیے بدل دیا جائے کہ اس کا نام "جماعت اسلامی" نہیں، "تبلیغی جماعت" ہے۔

اور پھر مذکورہ بالا حوالہ کے مطابق جب خود تبلیغی جماعت بھی جماعت اسلامی کو مہلک اور گمراہ کن قرار دینے والے فیصلے میں شریک ہے تو تبلیغی جماعت کے رہنماؤں کو

کم از کم اپنے فیصلے کی یہ بنیاد تو تسلیم کرنا ہی ہوگی کہ جن وجوہات کے تحت انہوں نے جماعتِ اسلامی کے خلاف مذکورہ بالا فیصلہ دیا ہے۔ اُنھی وجوہات کے تحت خود ان کا فیصلہ ان کی طرف بھی لوٹایا جاسکتا ہے۔

کیونکہ نہ جماعت اسلامی کے بارے میں آسمان سے اسلام دشمنی اور کج روی کی کوئی آیت اتری تھی اور نہ تبلیغی جماعت کے حق میں سلامت روی اور اسلام دوستی کی کوئی سورت نازل ہوئی ہے۔ دونوں ہی حق کی عدالت میں ایک ہی درجہ کے ملزم ہیں۔ انصاف کی تلوار کسی کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کرے گی۔ گمرہی اور بدعقیدگی جہاں بھی پائی جائے گی۔ ایک سچے مُسلمان کے لیے وہاں سے رہنا ضروری ہوگا۔ متوقع نفع کے مقابلے میں اپنے آپ کو ضرر موجود کے خطرے سے بچا لینا شریعت اور عقل دونوں کا تقاضا ہے۔ جماعت اسلامی کی طرح تبلیغی جماعت میں بھی کچھ خوبیاں ہوسکتی ہیں لیکن جس طرح خوبیوں کے باوجود جماعت اسلامی سے کنارہ کش رہنے کا مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا ہے اسی طرح خوبیوں کے باوجود تبلیغی جماعت سے بھی الگ رہنے کا مسلمانوں کو مشورہ دیا جائے گا اور یہ فیصلہ عین شریعت و عقل کے مطابق ہوگا۔

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ

تبلیغی جماعت کے متعلق لوگوں کی ایک عام خوش فہمی یہ ہے کہ وُہ دین کی راہ میں جذبۂ اخلاص و ایثار کا ایسا بے لاگ مظاہرہ کرتی ہے کہ اس کے نیک مقاصد اور دینی بہبود کی لگن پر کسی طرح کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

میں کہتا ہوں اوّل تو یہ نمائش ہے جسے غلطی سے حقیقت سمجھ لیا گیا ہے۔ دُوسرے اگر یہ صحیح بھی ہو جب بھی جذبۂ ایثار و اخلاص بذاتِ خود کوئی مستحسن جذبہ نہیں ہے بلکہ اس میں حسن پیدا ہوتا ہے متعلقات کی وجہ سے۔ اس سلسلے میں دیکھنے کی چیز دراصل یہ ہے کہ جن مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے جذبۂ ایثار و اخلاص کا مظاہرہ کیا جارہا ہے خود وہ مقاصد کیسے ہیں؟ اگر مقاصد مفید، نفع بخش اور ایمان افروز ہیں تو جذبۂ ایثار و اخلاص کے قابل قدر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ورنہ مقاصد کی قید اگر درمیان سے ہٹا دی جائے اور مجرد جذبۂ اخلاص و ایثار ہی کسی کے ساتھ ہو جانے کے لیے کافی ہو تو دنیا میں ان اوصاف کی حامل ایسی جماعتیں بھی نکل آئیں گی

جن سے خود تبلیغی جماعت بھی علیحدہ رہنے کی تلقین کرتی ہے۔

مثال کے طور پر عیسائی مشنری، جن سنگھی اور اشتراکی تحریکوں کو لے لیجئے ہزار اختلاف کے باوجود اپنے مقاصد کے لیے اُن کی پُرسوز جد وجہد اور بے پایاں مشقت و ایثار پسندی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس سلسلے میں خود ہمارا اپنا احساس یہ ہے کہ اپنے مقاصد سے قریب کرنے والے ان کے یہ سارے اوصاف خود ان کے تئیں قابلِ قدر ہوں تو ہوں، لیکن ہمارے نزدیک تو وہی ہماری ہلاکتوں کے سب سے قریبی اسباب ہیں۔

اور دور کیوں جائیے! یہی جماعت اسلامی جس کے ساتھ کسی طرح کی وابستگی کو خود تبلیغی جماعت کے لوگ بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ اس کے ممبران اپنی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے جس جذبۂ ایثار وخلوص سے کام لیتے ہیں اس دور میں اس کی مثال مشکل ہی سے کہیں ملے گی۔ لیکن اس کے باوجود اس سے کنارہ کش رہنے کا فیصلہ اپنی جگہ پر ہے اور وہ اس لیے کہ اپنے قرار واقعی مقاصد اور اپنی سرگرمیوں کے نتائج کے اعتبار سے وُہ مسلمانوں کے لیے نہایت مہلک اور گمراہ کن جماعت ہے۔

میں کہتا ہوں یہ کسوٹی صرف جماعت اسلامی ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ تبلیغی جماعت کو بھی اگر اسی کسوٹی پر جانچا جائے تو وہ بھی اپنے قرار واقعی مقاصد اور اپنی سرگرمیوں کے نتائج کے اعتبار سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ وابستہ رہ کر کوئی اپنے آپ کو دینی مضرتوں سے بچا سکے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں کے متوقع نتائج پر میں کافی روشنی ڈال چکا ہوں اور یہ بھی واضح کر چکا ہوں کہ وہ کلمہ اور نماز کے پردے میں صرف ہمارا مذہب تبدیل کرنے اٹھی ہے۔ اس کے سوا اور اس کا کوئی دینی مقصد نہیں ہے۔

لہٰذا اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس کا جذبۂ اخلاص و ایثار کسی اور کے لیے قابلِ تحسین ہو سکتا ہے پر ہمارے لیے تو وہ ہمارے "مذہبی قتل" کا بہترین ہتھیار ہے۔ تاریخ میں اپنے قاتل کے جذبۂ اخلاص کا اگر کوئی شکر گزار ہوا ہے تو آپ بھی تبلیغی جماعت کی "پر خلوص ہلاکت خیزیوں" کا شکریہ ادا کیجیے کہ اس طرح کے بے لوث اور سراپا اخلاص قاتل بھی آج کہاں ملتے ہیں؟

بیرونی ممالک میں دین کی تبلیغ

تبلیغی جماعت کا یہ جادو بھی اکثر لوگوں کو مسحور کیے ہوئے ہے کہ اس کی تبلیغی جد و جہد کا سلسلہ یورپ، ایشیا، افریقہ اور دنیا کے دور دراز خطوں تک پھیل گیا ہے۔ میں کہوں گا یہ بھی تبلیغی جماعت کا ایسا دلفریب پروپیگنڈہ ہے جس کی تہ میں اترنے کے بعد حیرانی کے سوا اور کچھ نہیں ہاتھ آتا۔

آپ اس پروپیگنڈے کا حال معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ہند و پاک کے اُن تاجروں پر گہری نظر ڈالیے جو تبلیغی جماعت میں پیش پیش ہیں۔ ان میں اکثر و بیشتر ایسے لوگ آپ کو ملیں گے جو بیرونی دنیا سے درآمد و برآمد کا کاروبار کرتے ہیں۔ تبلیغ کے نام پر سفر کر کے اپنے تجارتی وسائل کے لیے نئے میدانوں کی تلاش اُن کا ایک ایسا تجارتی راز ہے جس پر انھوں نے دین کا غلاف چڑھا دیا ہے اور بالفرض تھوڑی دیر کے لیے ہم مان بھی لیں کہ یہ امر واقعہ ہے تو تبلیغی جماعت کے حامیوں سے ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ اگر بیرونی ممالک میں تبلیغی جد و جہد ہی کسی جماعت کی حمایت کے لیے کافی ہے تو اس اعزاز کی سب سے زیادہ مستحق قادیانی جماعت ہے جس کے تبلیغی مراکز بہت پہلے اُن ممالک میں قائم ہو چکے ہیں جہاں آج یہ داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہیں جیسا کہ دیوبندی گروہ کے مشہور اہل قلم مولانا عبدالماجد دریا بادی مدیر "صدق جدید" لکھنؤ قادیانی جماعت کے ایک کتابچہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "احمدیہ جماعت قادیان اپنے رنگ میں جو خدمت تبلیغ اسلام کے سلسلے میں کر رہی ہے۔ یہ رسالہ اس کا پورا مرقع ہے۔ جماعت کے مشن یورپ، امریکہ، مغربی افریقہ، ماریشس، انڈونیشیا، نائیجیریا اور ہندوستان و پاکستان کے خدا معلوم کتنے مختلف مقامات میں قائم ہیں۔
>
> ان سب کی فہرست اور ان کی کارگزاریاں، ان سے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت انگریزی، فرنچ، جرمن، اسپینی، فارسی، برمی، ملایا، تامل، ملیالم، مرہٹی، گجراتی، ہندی، اردو زبان میں اور ان کی مسجدوں اور ان کے اخبارات و رسائل کی فہرست اور اسی قسم کی دوسری تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر ان صفحات

میں نظر آجائے گا"۔ صدق جدید ۷۔ جون ۱۹۵۷ء بحوالہ تبلیغ اسلام قادیان۔

اب اسی سلسلے میں قادیانی جماعت کے ادارہ دعوت و تبلیغ سے شائع ہونے والی ایک کتاب کی یہ عبارتیں پڑھیے ـــ ان سے بیرونی ممالک میں قادیانی جماعت کی تبلیغی سرگرمیوں کا صحیح اندازہ لگ سکے گا:

"ایک انگریز لیفٹننٹ اپنی زندگی وقف کر کے اس وقت مبلّغ کے طور پر انگلستان میں کام کر رہا ہے۔ باقاعدہ نمازی ہے۔ شراب وغیرہ کے قریب نہیں جاتا۔ خود محنت مزدوری سے پیسے کما کر ٹریکٹ وغیرہ شائع کرتا ہے یا جلسے کرتا ہے۔

اسی طرح جرمنی کے ایک شخص نے زندگی وقف کی ہے وہ بھی فوجی افسر ہے بڑی جد وجہد سے وہ جرمنی سے نکلنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ابھی اطلاع آئی ہے کہ وہ سوئٹزرلینڈ پہنچ گیا ہے اور وہاں ویزا کا انتظار کر رہا ہے ـــ یہ نوجوان اسلام کی خدمت کا بے انتہا جوش اپنے دل میں رکھتا ہے۔

جرمنی کا ایک اور نوجوان مصنّف اور اس کی تعلیم یافتہ بیوی زندگی وقف کرنے کا ارادہ ظاہر کر رہے ہیں اور شاید عنقریب ہی وُہ اس فیصلے پر پہنچ کر پاکستان تعلیم اسلام کے لیے آجائیں گے۔ اسی طرح ہالینڈ کا ایک جوان اسلام کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کا ارادہ کر چکا ہے اور غالباً جلد ہی کسی نہ کسی ملک میں تبلیغ اسلام کے کام پر لگ جائے گا"۔ پیغام احمدیت ص ۳۰۔

بیرونی ممالک میں تبلیغی سرگرمیوں کی یہ تفصیلات متعدد بار پڑھیے اور سچے دل سے بتائیے کہ کیا اس عالمگیر جد وجہد کے باوجود آپ اس تبلیغی تحریک سے کسی طرح کی ہمدردی رکھتے ہیں اور کیا اس میں شامل ہونے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر سکتے ہیں؟ آپ کہیں گے کہ قادیانی جماعت کے لوگ چونکہ خلاف اسلام عقیدہ رکھتے ہیں وہ ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں۔ وُہ قرآن و حدیث کو نہیں مانتے اس لیے ایک سچے مسلمان کے لیے ان کی تحریک میں شامل ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ میں کہوں گا یہ آپ کہتے ہیں لیکن جہاں تک ان کا اپنے

متعلق دعویٰ ہے، وہ یہ ہے:

"ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب اور جنت حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں فرمایا اور جو کچھ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان لائیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور اسی پر مریں اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لائیں اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کار بند ہو۔ غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کا اعتقادی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے"۔ ایام الصلح ص ۸۶-۸۷

یہاں تک تو عام عقائد اسلام کے متعلق ان کا بیان تھا اب خاص مسئلہ ختم نبوت پر ان کی تحریر پڑھیے۔ لکھتے ہیں:

"بعض لوگ یہ خیال بھی کرتے ہیں کہ احمدی ختم نبوت کے قائل نہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ محض دھوکے اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ شہادت پر یقین رکھتے ہیں تو یہ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ مانیں۔ قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝ (احزاب پ ۲۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی جوان مرد کے باپ نہ ہیں نہ آئندہ ہوں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا آدمی اس آیت کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ پس احمدیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ خاتم النبیین نہیں تھے۔ جو کچھ احمدی کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ خاتم النبیین کے وہ معنی جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہیں نہ تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت پر چسپاں ہوتے ہیں اور نہ اُن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور شان اُس طرح ظاہر ہوتی ہے جس عزت اور شان کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔" پیغامِ احمدیت ص ۱۰

ختم نبوت کے انکار پر تبلیغی جماعت اور قادیانی جماعت کا اتفاق

اب میں وہ بحث شروع کرتا ہوں جسے پڑھنے کے بعد دیر تک آپ سکتے کی حالت میں رہیں گے۔ مذکورہ بالا قادیانی عبارت سے یہ بات اچھی طرح صاف ہو گئی کہ وہ سرکار انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النبیین کے اس معنیٰ کا انکار کرتے ہیں جو عام مسلمانوں میں رائج ہیں اور اسی انکار پر انھیں ختم نبوت کا منکر کہا جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النبیین کا وہ کون سا معنیٰ ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور سب سے پہلے اس معنیٰ کا انکار کس نے کیا ہے —— تو اس سلسلے میں پھر قادیانی کتاب کی ایک عبارت پڑھیے، لکھتے ہیں:

"تمام مسلمان فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کیونکہ قرآن مجید کی نص وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں آپ کو خاتم النبیین قرار دیا گیا ہے نیز اس امر پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے لفظ خاتم النبیین

بطور مدح و فضیلت ذکر ہوا ہے۔

اب سوال صرف یہ ہے کہ لفظ "خاتم النبیین" کے کیا معنیٰ ہیں؟ یقیناً اس کے معنیٰ ایسے ہی ہونے چاہئیں جن سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مدح ثابت ہو۔

اسی بنا پر حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ مدرسۂ دیوبند نے عوام کے معنوں کو نادرست قرار دیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں "آخری نبی" ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم اور تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟"۔ رسالہ تحذیر الناس ص ۳۔

(رسالہ خاتم النبیین کے بہترین معنیٰ ص ۴ شائع کردہ قادیان)

قادیانی کتاب کی مذکورہ بالا عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی بانیٔ مدرسہ دیوبند کی صراحت کے مطابق "خاتم النبیین" کے لفظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "آخری نبی" سمجھنا معاذ اللہ یہ ناسمجھوں کا خیال ہے۔ سمجھ دار لوگ خاتم النبیین کے لفظ سے حضور کو "آخری نبی" نہیں مانتے۔ اُنہی سمجھداروں میں ایک سمجھدار مولانا نانوتوی بھی ہیں۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اس معنیٰ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے یعنی حضور کے آخری نبی ہونے کا سب سے پہلے مولانا نانوتوی نے کیا ہے — کیونکہ قادیانی جماعت کے لوگ اس سلسلے میں نانوتوی صاحب ہی کو اپنا امام مانتے ہیں۔ اگر انھوں نے انکار میں پہل کیا ہوتا تو وہ نانوتوی صاحب کی پیروی کا دعویٰ ہرگز نہ کرتے جیسا کہ ایک قادیانی مصنف نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنی کتاب میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"جماعت احمدیہ خاتم النبیین کے معنوں اور تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے سطور بالا میں جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا ہے۔" ۔ افاداتِ قاسمیہ ص ۱۶۔

۳۔ اور تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کے انکار کے سلسلے میں مرزا قادیانی اور نانوتوی صاحب، دونوں کے اندازِ فکر اور طرزِ استدلال میں پوری پوری یکسانیت ہے۔ وہاں بھی حضور پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کا سہارا لیا گیا ہے اور یہاں بھی مقامِ مدح کہہ کر حضور ہی کو عظمت و برتری کو بنیاد بنایا جا رہا ہے۔ وہاں بھی کہا گیا ہے کہ یہ معنی عوام میں رائج ہے اور یہاں بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ معنی عوام کے خیال میں ہے۔

اتنی عظیم مطابقتوں کے بعد اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلے میں دونوں کا نقطۂ نظر الگ الگ ہے۔ دنیا سے انصاف اگر رخصت ہو گیا ہے تو اب اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیان اور دیوبند دونوں ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ دونوں ایک ہی منزل کے دو مسافر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کوئی پہنچ گیا ہے اور کوئی رہگزر میں ہے۔

پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کرنے کی وجہ سے اگر قادیانی جماعت کو منکرِ ختمِ نبوت کہنا امر واقعہ ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسی انکار کی بنیاد پر تبلیغی جماعت (دیوبندی جماعت) کو بھی منکرِ ختمِ نبوت نہ قرار دیا جائے۔

آپ کہیں گے قادیانی جماعت کے لوگ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک نیا نبی مانتے ہیں اس لیے انھیں منکرِ ختمِ نبوت کہا جاتا ہے۔ میں کہوں گا یہی عقیدہ تو تبلیغی جماعت کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتاب "تحذیر الناس" میں لکھا ہوا ہے:

"اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔" ۔ ص ۱۴

"اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔" ۔ ص ۲۸

غور فرمائیے! اب تبلیغی جماعت کے یہاں بھی بغیر کسی شرعی قباحت کے حضور کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو سکتا ہے تو قادیانی جماعت کا اس سے زیادہ کیا قصور ہے کہ جو چیز تبلیغی جماعت کے نزدیک ممکن تھی اُسے انہوں نے واقع بنا لیا۔ اصل کفر تو نئے نبی کے امکان کے عقیدے سے وابستہ تھا جب معاذ اللہ وہی کفر نہ رہا تو اب کسی نئے مدعیِ نبوت کو باز رکھنے کا ہمارے پاس کیا ذریعہ رہا۔ اس لیے بنیادی سوال کے لحاظ سے تبلیغی جماعت اور قادیانی جماعت کے درمیان کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ میری اس رائے سے اگر تبلیغی جماعت کے لوگوں کو اختلاف ہو تو میں ان سے مطالبہ کروں گا کہ وہ کھلے بندوں یہ اعلان کر دیں کہ تحذیر الناس ان کی کتاب نہیں ہے یا اس میں حضور کے آخری نبی ہونے کو عوام کا خیال کہہ کر جو نادرست بنایا گیا ہے وہ اس نئے عقیدہ سے متفق نہیں ہیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو اسلامی دُنیا کا جو الزام قادیانی جماعت پر ہے وہی الزام تبلیغی جماعت پر بھی ثابت ماننا پڑے گا۔

ان ساری بحثوں سے میرا مدعا یہ ہے کہ ختم نبوّت کے انکار کی بنیاد پر اگر قادیانی جماعت کی تبلیغی تحریک ایک سچّے مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسی بنیاد پر تبلیغی جماعت کو بھی ایک سچّے مسلمان کے لیے ناقابل قبول نہ قرار دیا جائے۔

ویسے جہاں تک کہنے کا سوال ہے تو قادیانی جماعت کے لوگ بھی کہنے کی حد تک اسلام ہی کا نام لیتے ہیں لیکن جہاں تک کرنے کا سوال ہے تو اس کی شکایت صرف قادیانی جماعت ہی سے نہیں تبلیغی جماعت سے بھی ہے۔ وُہ لوگ بھی اسلام کا نام لے کر کفر کی تبلیغ کرتے ہیں۔ یہ بھی دین کا ڈنکا پیٹ کر بے دین بنانے کی مہم چلاتی ہے۔ عقیدۂ حق کی سلامتی کو خطرہ دونوں سے ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد بھی اگر تبلیغی جماعت کی ہلاکت خیزیوں کو محسوس کرنے کے لیے ذہن کا کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو تو ورق اُلٹیے اور چھٹے باب کا مطالعہ کیجیے۔

باب ٦

ایک ذہنی خلجان کا علاج

تبلیغی جماعت کی نسبت جتنی باتیں میں نے پچھلے اوراق میں بیان کی ہیں آپ جب واقعات کے ساتھ ان کی مطابقت کرنا چاہیں گے تو آپ کو سخت حیرانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آپ کہیں گے کہ تبلیغی اجتماعات کے موقع پر ان کی جو تقریریں سُننے میں آتی ہیں اُن میں تو اسلام کی صرف موٹی موٹی اور اصلاحی قسم کی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ مذہبی اختلافات اور اعتقادی مسائل پر وہ اپنے اجتماعات میں اظہارِ خیال ہی کہاں کرتے ہیں کہ اُن پر کسی کا مذہب تبدیل کرنے کا الزام عائد کیا جائے۔

میں عرض کروں گا یہ تبلیغی جماعت کی پالیسی ہے اس کا مقصد نہیں ہے۔ پالیسی اور مقصد میں فرق نہ کرنے کے بعد صرف تبلیغی جماعت ہی سے نہیں، دنیا کی بہت ساری جماعتوں سے دھوکہ کھایا جا سکتا ہے۔ مہلک سے مہلک اور گمراہ سے گمراہ جماعت بھی کبھی یہ کہتے ہوئے سامنے نہیں آتی کہ وہ لوگوں کا مذہب و اعتقاد بدلنے اٹھی ہے۔

دعوت کے الفاظ ہمیشہ دلکش، ہمہ گیر اور بے غبار ہوتے ہیں۔ فکر کا شکار اسٹیج پر نہیں ہوتا اپنے بنائے ہوئے ذہنی ماحول میں ہوا کرتا ہے۔ اسٹیج پر تو عقل و ذہانت کی ساری صلاحیتیں اس بات پر صرف کی جاتی ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ اجنبی لوگوں کو اپنے قریب لایا جائے۔

یہاں پہنچ کر آپ برملا ہم سے سوال کریں گے کہ اپنی پالیسی سے ہٹ کر بھی تبلیغی جماعت کا اگر کوئی مقصد ہے تو واضح طور پر بتا دیا جائے کہ وہ کیا ہے اور اُسے حاصل کرنے کے لیے وہ لوگ کون سا طریقہ اختیار کرتے ہیں — میں سفارش کروں گا کہ آپ اپنے اس معقول سوال کے لیے ذیل کے مباحث کا جذبۂ انصاف کے ساتھ مطالعہ فرمائیں۔ مجھے یقین ہے کہ چند

صفحات سے گزرنے کے بعد اندر سے خود آپ کا ضمیر چیخ اُٹھے گا کہ جس حقیقت کی میں نشاندہی کر رہا ہوں وُہ غلط نہیں بلکہ عین واقعہ ہے۔

ذہن تبدیل کرنے کے چند عجیب وغریب طریقے

تبلیغی گشت

تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں کا سب سے گہرا راز جس پر ہنوز پردہ پڑا ہوا ہے یہی ہے کہ اس کے مبلغین عام اجتماعات میں کسی رُخ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیتے کہ وہ عام مسلمانوں کا مذہب و اعتقاد بدلنے اُٹھے ہیں۔

لیکن سچ پُوچھیے تو اُن کے شکار کا اصل میدان وہ تبلیغی گشت ہے جس میں وُہ اپنے ہمراہ سادہ لوح مسلمانوں کو گاؤں گاؤں اور شہر شہر پھراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مبلغین ہر جگہ اپنی تقریروں میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ گشت میں نکلیں۔ "چلت پھرت" تبلیغی جماعت کی ایک خاص اصطلاح ہے اور یہ اتنی اہم ہے کہ جس اجتماع سے چلت پھرت کے لیے لوگ دستیاب نہیں ہوتے اُسے وہ کامیاب اجتماع ہی نہیں سمجھتے۔

تبلیغی گشت یا چلت پھرت کو وُہ اس لیے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں کہ سفر کی حالت میں آدمی اپنی دنیا سے یک لخت کٹ جاتا ہے اور انھی لوگوں پر بھروسہ کرتا ہے جو اس کے ساتھ شریکِ سفر رہتے ہیں۔ کسی کو شیشے میں اتارنے کے لیے تنہائی اور فرصت کے لمحات کا اس سے بہتر اور کوئی زمانہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ تبلیغی جماعت کا یہ سفر ایک مذہبی تقدس کے جذبے سے وابستہ ہوتا ہے اس لیے پہلے ہی قدم پر امیر جماعت کی سربراہی اور اس کے ساتھ دینی وابستگی کا ایک نیاز مندانہ تصور ذہن سے منسلک کر دیا جاتا ہے تاکہ شرکائے سفر میں سے کوئی بھی ماحول کی گرفت سے آزاد نہ ہونے پائے۔

اس طرح پہلی ہی ملاقات میں ایک قابل اعتماد مرشد کی طرح امیر جماعت کے ہاتھ میں ساتھیوں کے مشاغل اور نظام الاوقات کا سارا اختیار منتقل ہو جاتا ہے۔

اب اطاعت شعار نیاز مندوں کی یہ ٹولی کسی آبادی میں پہنچ کر اپنی پسند کی کسی مسجد

میں قیام کرتی ہے۔ امیر جماعت کی سربراہی میں آبادیوں کا گشت کرکے واپس لوٹنے کے بعد ساتھیوں کی ایک مخصوص "مجلس تعلیم" منعقد ہوتی ہے جس میں باہر کے لوگ شریک نہیں ہوتے۔ ذہن و فکر پر چھاپہ مارنے کی یہی وہ نازک گھڑی ہوتی ہے جس کی زد سے بچ نکلنا ہر شخص کا کام نہیں ہوتا۔

چلّہ یا دماغی تطہیر کا عمل یہیں سے تبلیغی جماعت کے پُرانے کارکن "دماغی تطہیر" کا عمل شروع کرتے ہیں۔ دماغی تطہیر ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی نئے آدمی کو ذہنی طور پر اتنا بدل دیا جائے کہ وہ ہر طرف سے کٹ کر صرف جماعت کے ساتھ وابستہ رہے اور جماعت کے فکری ماحول میں ڈھل جانے کے لیے وہ اپنے ماضی کی ہر چیز سے بالکل بے تعلق ہو جائے۔

دماغی تطہیر کا یہ عمل بتدریج آگے بڑھتا ہے ایک سفر کے تمام ہو جانے کے بعد نئے آدمیوں کو پھر دوبارہ کسی لمبے سفر کی ترغیب دی جاتی ہے۔ متعدد بار کے تبلیغی گشتوں کے نتیجے میں علاقائی کارکنوں کے ساتھ نئے آدمیوں کا خاصا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ یہ تعلق رفتہ رفتہ تبلیغی جماعت سے اتنا قریب کر دیتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد چالیس دن کا چلّہ گزارنے کے لیے سادہ لوح مسلمانوں کا ایک قافلہ مرکز نظام الدین دہلی کی طرف چل پڑتا ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد تبلیغی جماعت کے فنکار علماء کا ایک جھُنڈ انھیں ملتا ہے جن کے نرغے میں شب و روز کا ایک ایک لمحہ انھیں گزارنا پڑتا ہے۔ چالیس دن تک ایک بوجھل ماحول میں ان کی ذہنی تربیت شب و روز تبلیغی جماعت کے فضائل و کرامات کے افسانے، عالمگیر توسیع، ترقی کی کہانیاں، مرکزی امیر جماعت کا مصنوعی تقدس، عقیدۂ توحید کی ایمان شکن تشریحات، شرک و بدعت کی غلط تعبیریں اور اکابر دیوبند کے شوق انگیز تذکرے یہ ساری چیزیں مل جُل کر اُن کے ذہن پر اس درجہ اثر انداز ہو جاتی ہیں کہ بالآخروہ تبلیغی جماعت کے کسی "شیخ" کے ہاتھ پر مرید ہو جاتے ہیں یا انھیں ترغیب دے کر مُرید کرا دیا جاتا ہے۔ اس طرح انھیں ہمیشہ کے لیے اپنی جماعت اور جماعت کے مسلک کا ذہنی طور پر غلام بنا لیا جاتا ہے۔

پچھلے دور میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد اور مولانا عبدالرحیم رائپوری

وغیرہ تبلیغی جماعت کے نامزد "شیخ" تھے۔ آج کل اس منصب پر مولانا زکریا سہارن پوری فائز ہیں۔

ان مراحل سے گزر جانے کے بعد اب کسی سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں پیش آتی کہ تم اپنا مذہب تبدیل کر دو، اپنے پُرانے عقیدوں سے دست بردار ہو جاؤ، رسول مجتبیٰؐ کی عظمت و توقیر سے ذہن خالی کر لو، میلاد و قیام کو حرام سمجھو، خانقاہی روایات کو شرک قرار دو اور درگاہوں سے صنم خانے کی طرح نفرت کرو بلکہ ماحول کی تاثیرات اور نئے تعلق کے تقاضوں کے دباؤ سے خود بخود آدمی کا ذہن اتنا بدل جاتا ہے کہ ایک ایک کر کے ان سارے معتقدات اور روایات سے وہ دست بردار ہو جاتا ہے جنھیں تبلیغی جماعت کے لوگ "شرکیہ رسموں" سے تعبیر کرتے ہیں اور پھر اس ذہنی ارتداد کا سب سے عبرت ناک پہلو یہ ہے کہ سیکڑوں برس کے جانے پہچانے مذہب و اعتقاد کو باطل سمجھ کر ٹھکراتے ہوئے اسے ذرا بھی قلق نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے دین حق کا خون کر چکنے کے بعد بھی اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ بے دینی کی زندگی سے نکل کر اب وُہ دین کی صحیح راہ پر آ لگا ہے۔

یہ ہے تبلیغی جماعت کا وہ "خاموش قتل" جس میں لہو کی ایک بُوند بھی نہیں ٹپکتی، تلوار کی دھار پر خون کا ایک دھبہ بھی نظر نہیں آتا لیکن اب تک وُہ لاکھوں مسلمانوں کے دین و ایمان کا خُون کر چکی ہے۔

اور سُن لیا جائے کہ تبلیغی جماعت کے اس پُراسرار طریقۂ کار کے متعلق میرا یہ بیان کچھ میرے اپنے ذہن کی تصنیف نہیں ہے بلکہ مرکزی امیر مولانا محمد یوسف صاحب آنجہانی نے خود اپنے ایک خط میں اس کا انکشاف فرمایا ہے۔

موصوف کا وُہ خط جس کی اصل کاپی میرے پاس موجود ہے اور جو بھی چاہے بے تکلف اسے دیکھ سکتا ہے، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف کا خط پڑھنے سے پہلے اُس خط کا مطالعہ بہت زیادہ مفید ہو گا جس کے جواب میں موصوف نے یہ خط لکھا ہے:

امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب کے نام ایک نہایت اہم مکتوب

مکرم بندہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر تبلیغی جماعت

بستی نظام الدین - دہلی

بعد ہدیۂ مسنون کے گزارش خدمت یہ ہے کہ اپنے حلقے کے کچھ لوگ تبلیغی جماعت کے اس طریقۂ کار پر معترض ہیں کہ اس کے لوگ اپنی دعوت و تبلیغ میں صرف عمل کی اصلاح پر زور دیتے ہیں۔ عقائد درست کرنے کی انھیں مطلق فکر نہیں ہے۔ جبکہ ہندوستان کے اکثر مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ غور سے دیکھا جائے تو ان کی زندگی کا اکثر حصہ شرکیہ رسموں میں ڈوبا ہوا ہے۔ ہم نے اپنے طور پر ان معترضین کو سمجھانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن ان کی تسکین نہیں ہوئی۔ اب آنجناب کو اگر زحمت نہ ہو تو اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ حصہ نکال کر ہم لوگوں کو مطمئن فرمائیں تاکہ بھرپور امنگوں کے ساتھ جماعت کا کام آگے بڑھ سکے۔

آپ کا مخلص

عبد التوحید جمشید پور

اب مولانا محمد یوسف کا وہ جواب ملاحظہ فرمائیے جس نے بیچ چوراہے تبلیغی جماعت کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے:

امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب کا پُراسرار خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم بندہ! وفقکم اللہ و ایانا لما یحب و یرضیٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا۔ احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ جواباً عرض ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ نے جو تبلیغی کام کو جو شروع فرمایا اور سارے

عالم کے نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ انسانوں کو اس کی دعوت دینے کی نیت فرما کر جاری فرمایا۔ اس کے بنیادی اصول اگر سامنے ہوں تو اس کام کے کرنے میں ذرا دقت محسوس نہ ہو۔ اعتراضات تو کیے ہی جاتے ہیں مگر اعتراضات کے جواب میں پڑنے سے اپنا کام نہیں چلتا ہے اور جن کا جواب دیتے ہیں وہ اس کام سے کٹ جاتے ہیں۔

ہمارا تبلیغی کام صرف عمل صالح کے لیے نہیں ہے بلکہ اول یہ ایمانی تحریک ہے بعد میں اعمال صالح کی تحریک ہے۔ اب تک بیس پچیس سال کے تجربہ سے یہی معلوم ہوا ہے کہ "شرکیہ رسموں" اور گناہوں کے چھیڑنے سے لوگ رسموں اور گناہوں کو چھوڑتے نہیں ہیں لیکن ان کو ساتھ لے کر جماعتوں میں پھرایا جائے اور ان کے سامنے کلمۂ طیّبہ کا صحیح مطلب اور مطالبہ سامنے آتا رہے تو رسموں اور گناہوں کو خود بخود چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ہمارا تجربہ ہے اس کو کیسے جھٹلا دیں؟

اختلافی چیزوں کو ہم اس لیے نہیں چھیڑتے کہ سب کو اس کام میں لگانا ہے یہ باتیں خطوط میں لکھنے کی نہیں ہیں۔ یہاں مرکز میں رہنے سے سمجھ میں آجاتی ہیں لہذا ایک جماعت اہل بصیرت اور سمجھدار لوگوں کی بھیجئے تاکہ وہ یہاں کے کام کی اصل ساخت کو سمجھ سکیں اور میوات میرٹھ کے کام میں لگ کر کام کو صحیح اصولوں پر سیکھ کر اپنے یہاں کام چلا سکیں۔ والسلام

بندہ محمد یوسف عفی عنہ

بقلم محمد عاشق الٰہی عفا اللہ عنہ

مدرسہ کاشف العلوم۔ نظام الدین۔ دہلی

انگلی رکھنے کے مقامات

اب اس خط کے خاص خاص جملوں پر ذیل میں ایک تنقیدی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اعتراضات کے جواب میں پڑنے سے کام نہیں چلتا ہے اور جن کا جواب دیتے ہیں، وہ اس کام سے کٹ جاتے ہیں۔

پہلی مرتبہ یہ بات سننے میں آئی کہ جن کا جواب دیتے ہیں وہ اس کام سے کٹ جاتے ہیں، حالانکہ کسی تحریک کے سلسلے میں عام دستور یہ ہے کہ اطمینان بخش جواب پاکر لوگوں کا ذہن اور نکھرتا ہے اور سرگرمیوں میں مزید تیزی آتی ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اب اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ جواب دینے سے چونکہ عقیدے کا راز فاش ہوتا ہے اور دل کی بات زبان پر لانی پڑتی ہے اس لیے جو لوگ کہ اُس سے متفق نہیں ہیں وہ اس کام سے کٹ جاتے ہیں ورنہ ظاہر و باطن اگر ایک ہو تو کسی بات کے اظہار میں خطرہ کیا ہے؟

۲۔ ہمارا تبلیغی کام صرف عمل صالح کے لیے نہیں ہے بلکہ اوّل یہ ایمانی تحریک ہے بعد میں اعمال صالحہ کی تحریک ہے۔

اعمال صالحہ کی رٹ لگاتے لگاتے آخر بات آہی گئی زبان پر ایمان و اعتقاد کی۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب یہ ایمانی تحریک ہے تو عقیدے کے سوال سے پہلو بچانا کیونکر ممکن ہوگا، اس لیے تبلیغی جماعت کے نزدیک مسلمانوں کے جو عقیدے کفر و شرک اور بدعت و حرام کی فہرست میں ہیں ظاہر ہے کہ ان کی اصلاح کا کام بھی جب تک تبلیغی مقاصد میں شامل نہیں کیا جائے گا ایمانی تحریک کا مقصد کبھی پورا نہ ہوگا۔

اس مقام پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب حقیقت واقعہ یہ ہے تو تبلیغی جماعت کے مولویوں کا یہ کہنا کہ ہم لوگ صرف اخلاق و عمل کی اصلاح کرنے اُٹھے ہیں عقیدہ سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ہے، کتنا بڑا کھلا ہوا فریب ہے۔ آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی کو لوٹ لینا یقیناً فعل گناہ ہے لیکن اس سے بھی بڑا گناہ یہ ہے کہ عمل کی دُکان کھول کر ایک مسلمان کا ایمان لوٹ لیا جائے۔

۳۔ اب تک بیس پچیس سال کے تجربے سے یہی معلوم ہوا کہ رسموں اور گناہوں کے چھڑنے سے لوگ رسموں اور گناہوں کو چھوڑتے نہیں ہیں۔ لیکن اگر ان کو ساتھ لے کر جماعتوں میں پھرایا جائے اور ان کے سامنے کلمۂ طیبہ کا صحیح مطلب اور مطالبہ سامنے آتا رہے تو رسموں اور گناہوں کو خود بخود چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ہمارا تجربہ ہے اس کو کیسے جھٹلا دیں؟

آنکھ کھولیے!

یہی ہے مذہب تبدیل کرنے کا وہ خاموش طریقہ جسے تبلیغی جماعت کے لوگ صبغۂ راز کی طرح چھپایا کرتے ہیں۔ شرکیہ رسموں سے مراسلہ نگار کی کیا مراد ہے، یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے پچھلے اوراق میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اب یہیں سے ساتھ لے کر جماعتوں میں پھرانے کا مقصد سمجھ لیجیے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ تبلیغی گشت اور جماعتوں کی "چلت پھرت" کا مدعا سوا اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان کا شکار کرنے کے لیے اُسے ایک سازگار ماحول میں پہنچا دیا جائے۔

اتنے واضح اور کھلے ہوئے بیان کے بعد بھی اگر کوئی شخص تبلیغی گشت سے کسی طرح کے دینی مفاد کی توقع رکھتا ہے تو اس کے لیے اس سے زیادہ اور کوئی ہلکا لفظ لغت میں نہیں ہے کہ وہ اپنے دین و ایمان کا خود سب سے بڑا دشمن ہے۔

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ کلمہ طیبہ کا وہ کون سا صحیح مطلب ہے جس کے زیر اثر لوگ اُن "شرکیہ رسموں" کو خود بخود چھوڑ دیتے ہیں جنھیں صدیوں سے ایمان و اسلام کا تقاضا سمجھتے آئے ہیں۔ یہیں سے کلمہ پڑھانے اور اس کا مطلب بیان کرنے کا یہ راز بھی فاش ہوگیا کہ خطرہ کلمہ سے نہیں کلمہ کے اُس مطلب سے ہے جسے سُنا کر سادہ لوح مسلمانوں کا مذہب تبدیل کیا جاتا ہے۔

یہ ہمارا تجربہ ہے اس کو کیسے جھٹلادیں؛ ذرا اس جملے کا زورِ بیان ملاحظہ فرمائیں۔ کہنے کا مدعا یہ ہے کہ بیس پچیس سال کے طویل عرصے میں جس طریقۂ کار سے ہم نے لاکھوں صحیح الاعتقاد مسلمانوں کا ایمان غارت کیا ہے، اس آزمودہ طریقے کو چھوڑ کر ہم ایسا راستہ کیوں اختیار کریں جس میں راز بھی کُھل جائے اور مقصد تک بھی نہ پہنچ سکیں۔ ایک آزمودہ کار اور جہاندیدہ شکاری کی طرح ذرا اپنے نشانے کی صحت کا یقین ملاحظہ فرمائیے۔ لفظ لفظ سے حق کی پامالی کا خون ٹپک رہا ہے۔ اس "تجربہ" کے اوٹ سے کوئی جھانک کر دیکھے تو ماضی میں کشتگان فریب کی لاشوں کا ایک انبار نظر آئے گا جنھیں شربت دینار کہہ کر زہر پلایا گیا اور ابدی شقاوتوں کی موت ان پر طاری ہوگئی۔

غیرتِ ایمان کو آواز

اس مقام پر مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ ایمان و اعتقاد کی سلامتی کے خلاف تبلیغی جماعت کی شرمناک سازشوں کا یقین کرنے کے لیے اب درمیان کا کوئی مرحلہ باقی نہیں ہے۔ خود تبلیغی جماعت کے سربراہ نے یہ راز مُنہ سے اُگل دیا ہے اس لیے اب سوچنا یہ ہے کہ اس سنسنی خیز انکشاف کے بعد خود ہماری غیرتِ ایمانی کا فریضہ کیا ہے؟

کیا ہم اپنے سادہ لوح عوام کو ان مذہبی عیاروں کے دامِ فریب کا شکار ہونے کے لیے چھوڑ دیں یا گھر گھر جا کر اُنھیں اس خطرہ سے آگاہ کر دیں کہ تبلیغی گشت سے لے کر کلمہ اور نماز کی دعوت تک اِن میں سے کوئی چیز بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہُوئے دین کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ یہ لوگ دین کا نام صرف اس لیے لیتے ہیں کہ اپنے خود ساختہ دین سے تمھارے دین کا تبادلہ کر سکیں۔

اہلِ ایمان خبردار ہو جائیں کہ اس ساری مذہبی نمائش کے پیچھے ایک دامِ تزویر بچھا ہوا ہے تاکہ سادہ لوح امت کا شکار کیا جائے۔

یہ نکتہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ دینِ حق کی سربلندی کے لیے گھر سے باہر نکلنا ضرور کارِ ثواب ہے لیکن اپنا مذہب تبدیل کرانے کے لیے کسی کے ساتھ ایک قدم بھی چلنا مذہبی خودکشی کی طرف صریح پیش قدمی ہے۔

۴۔ ”اختلافی چیزوں کو ہم اس لیے نہیں چھیڑتے کہ سب کو اس کام میں لگانا ہے۔“

کیا سمجھے آپ! مدعا یہ ہے کہ اختلافی چیزوں کے نہ چھیڑنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اُمت میں اختلاف ڈالنا ہم فعل قبیح سمجھتے ہیں یا اختلافی مسائل سے ہماری جماعت کو کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ عام اجتماعات میں اختلافی مسائل سے گریز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ”مشرک اور بدعتی“ طبقے کو بھی ہمیں ساتھ لینا ہے تاکہ جماعتوں میں پھرا کر اُن کا ذہن بدلا جا سکے اور اگر پہلے ہی قدم پر انھیں چھیڑ دیا گیا تو وہ بدک جائیں گے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔

غور فرمائیے! اب کسی کا پیوند ہمیں کیا مطمئن کر سکے گا جب خود تبلیغی جماعت کے سب سے بڑے سربراہ کے قلم سے یہ راز فاش ہو گیا کہ عام اجتماعات میں یہ لوگ اختلافی مسائل کا تذکرہ

کیوں نہیں کرتے ۔ میں امید کرتا ہوں کہ ان کی موٹی موٹی باتیں سن کر جو لوگ اُن کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں وہ اس بیان کی روشنی میں اپنی رائے پر نظرِ ثانی کریں گے ۔

۵ ۔ "یہ باتیں خطوط میں لکھنے کی نہیں مرکز میں رہنے سے سمجھ میں آجاتی ہیں"۔

اس جملے نے تو دینی اخلاص کا سارا بھرم کھول دیا ہے ۔ دل کا چور نوکِ قلم کے شگاف سے صاف نظر آرہا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دین کی باتیں کچھ میاں بیوی کے مخفی تعلقات کی چیزیں نہیں ہیں کہ وہ خط میں لکھنے کے قابل نہ ہوں ۔ اس لیے یقیناً نوکِ قلم کے پیچھے یہ مجرمانہ احساس کارفرما ہے کہ دین کے نام پر بے دین بنانے کی پالیسی اگر قیدِ تحریر میں آگئی تو بیچ چوراہے دین کی تبلیغ کا سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا ۔

"یہاں مرکز میں رہنے سے سمجھ میں آجاتی ہیں"۔ یہ تنہا ایک جملہ اس امرِ واقعہ کی پوری پوری تصدیق کر رہا ہے کہ جسے یہ لوگ مرکز کہتے ہیں وہ سادہ لوح مسلمانوں کے فکر و اعتقاد کی بہترین شکار گاہ ہے ورنہ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو بات نوکِ قلم پر نہیں لائی جاسکتی لیکن مرکز میں پہنچتے ہی سمجھ میں آجاتی ہے ۔ وہ کیسی "رازدارانہ" بات ہوگی اور اسے سمجھانے کے لیے مرکز میں کیسے کیسے انتظامات کئے گئے ہوں گے ۔

یہیں سے یہ سوال بھی حل ہوجاتا ہے کہ تبلیغی جماعت کے مرکز میں طلسم ہوشربا کی طرح آخر وہ کون سا ساحرانہ ماحول ہے جہاں پہنچتے ہی آدمی وُہ سب کچھ سمجھ لیتا ہے جو اس سے باہر نہیں سمجھ سکتا ۔ اور جب وہاں سے نکلتا ہے تو ایک مت مارتے ہُوئے انسان کی طرح اپنا سب کچھ لٹا آتا ہے ، یہاں تک کہ مذہب جیسا متاعِ عزیز بھی ان "ساحرانِ نجد" کی اداؤں پر نثار کر دیتا ہے ۔

آخری کلمہ اپنے تبصرہ کے خاتمے پر دین کے رشتے سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ تبلیغی جماعت کے ظاہر کا فریب سمجھنے کے لیے مولانا محمد یوسف صاحب کے خط کے یہ اقتباسات بہت کافی ہیں ورنہ کسی جماعت کو مضرت رساں قرار دینے کے لیے یہ شرط لگانا کہ جب تک اس کے داعی صاف صاف نہیں کہہ دیں گے کہ ہم تمہارے حلق میں زہر اتارنے آئے ہیں اس وقت تک ہم انھیں مضرت رساں نہیں سمجھیں گے ، تو یہ ایک ایسی دشوار شرط ہوگی جو شاید کبھی پوری نہ ہوسکے ۔ کیونکہ دنیا کا بڑے سے بڑا عیار بھی اپنے فریب کا برملا اظہار

نہیں کرتا اسے بھی لوٹنے کے لیے اخلاص و ہمدردی کی ایک دُکان سجانی پڑتی ہے۔

پھر بھی تبلیغی جماعت کا یہ سیاہ کاروبار ان لوگوں سے مخفی نہیں ہے جو مرکز میں پہنچ کر اپنے "بال منڈوا" چکے ہیں لیکن افسوس کہ آج وہ خودشکاریوں کی صف میں ہیں ورنہ ان کے ذہنی ارتداد کی سرگزشت اگر منظر عام پر آجاتی تو بہت سے رازہائے سربستہ معلومات کے اُجالے میں آجاتے۔ تاہم جو لوگ بحفاظت تمام وہاں سے واپس لوٹ آئے ہیں ان کی زبانی اس طلسم فریب کی بہت سی کہانیاں باہر کی دُنیا تک پہنچ گئی ہیں۔

دو اور دستاویز

ذہنی ارتداد اور مذہب تبدیل کرنے کے لیے تبلیغی جماعت کے مخفی کاروبار اور پُراسرار وسائل کے "انکشاف" کے سلسلے میں مولانا یوسف صاحب کے خط کے بعد اور مزید کسی دستاویز کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ پھر بھی مزید اطمینان کے لیے حضرت نظام الدین دہلی سے موصول ہونے والے اور دو خطوط کی نقل ذیل میں پیش کرتا ہوں۔

ایک خط تو اپنے رنگ کے مشہور اہل قلم خواجہ حسن نظامی کا ہے اور دوسرا خط جماعت نظامیہ درگاہ نظام الدین کے جنرل سیکریٹری پیر سید ظہور حسن نظامی کا۔ کئی سال کا عرصہ ہوا جمشید پور سے کسی طالب حق نے ہر دو صاحبان کے نام ایک خط بھیجکر تبلیغی جماعت کے کچھ حالات دریافت کیے تھے اسی خط کے جواب میں یہ دونوں خطوط موصول ہوئے۔ پہلے سائل کا خط پڑھ لیجیے تاکہ سوال کی نوعیت معلوم ہو جائے:

جمشید پور سے ایک سائل کا خط

مورخہ ۱۵۔ فروری ۱۹۵۴ء

جمشید پور

مکرم بندہ! بعد ماہو المسنون

گزارش خدمت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے نام سے جو ایک نیا گروہ چند سال سے پیدا ہوا ہے، جس کے بانی مولانا محمد الیاس تھے اور آجکل اُن کی جگہ پر

ان کے بیٹے مولوی محمد یوسف امیر جماعت کا کام کرتے ہیں۔

ایک دو سال سے جمشید پور میں بھی اس جماعت کا اثر پھیل رہا ہے اور چند ائمۂ مساجد بڑی سرگرمی کے ساتھ اس میں حصّہ لے رہے ہیں۔ کچھ عرصہ ہُوا یہاں کے چند سُنّی صحیح العقیدہ افراد تبلیغی جماعت میں شریک ہوئے تھے اور اس جماعت کے پروگرام کے مطابق ان لوگوں کو بھی بستی نظام الدین دہلی کے مرکز میں جانے کا اتفاق پیش آیا تھا۔ وہاں جاکر جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ بدعقیدہ لوگ ہیں۔ مزاراتِ اولیاء، عرسوں، نذرونیاز وغیرہ کے مخالف ہیں تو اس کے بعد یہ لوگ تبلیغی جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔

آپ چونکہ تبلیغی جماعت کے مرکز سے بہت قریب رہتے ہیں اس لیے اس جماعت کے مذہبی عقیدوں سے یقیناً باخبر ہوں گے۔ ازراہِ کرم صحیح حالات سے مطلع فرماکر شکر گزار بنائیں۔"

اب ذیل میں اس خط کے جوابات ملاحظہ فرمائیں ——— پہلے خواجہ حسن نظامی کا جواب پڑھیے:

خواجہ حسن نظامی صاحب کا جواب

۲۵۔ فروری ۵۴ء

مجبّی! سلام علیکم

خط ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔ مولوی محمد الیاس مرحوم میرے ساتھ گنگوہ میں پڑھتے تھے جبکہ ان کے بھائی مولوی محمد یحییٰ صاحب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے زیرِ اثر تعلیمی کام کر رہے تھے۔ مولوی الیاس کے والد مولانا اسمٰعیل صاحب مرحوم سے میں نے آٹھ برس کی عمر سے تعلیم پائی تھی۔

یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب لوگ درگاہوں اور عرسوں اور نیاز و نذر کے مخالف ہیں اور جب سے مولوی محمد یوسف صاحب نے جماعت بندی کی ہے

ہر جمعرات کو بہ کثرت ایسے لوگ آتے ہیں جو درگاہوں کے مخالف ہیں۔ چنانچہ ایک سال ہُوا اس جماعت کے نو آدمی روضہ شریف کے اندر جُوتیاں لے کر چلے گئے۔ اس پر لڑائی ہُوئی اور فریقین کے زخمی مردوں اور عورتوں کو پولیس میرے پاس لائی اور میں نے دونوں میں صلح کرا دی ورنہ دونوں جیل جاتے۔ بہرحال اس خاندان کا شاگرد ہوں مگر ان کے عقائد کے خلاف ہوں۔

مخلص: حسن نظامی

جنرل سیکریٹری جماعت نظامیہ درگاہ نظام الدین دہلی کا جواب

محب الفقراء!

السلام علیکم ——— مزاج گرامی!

آپ کا گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ آپ نے جس جماعت کے متعلق استفسار فرمایا ہے وُہ ہمارے صوفیہ عقائد کی منکر ہے۔ مزارات اولیاء اللہ کے انہدام کو ثواب اور نذر و نیاز، فاتحہ و میلاد شریف، عرس وغیرہ کو حرام سمجھتی ہے۔ اس جماعت سے علیحدہ رہنا نہایت ضروری ہے ورنہ عقائد خراب کرنا اور لوگوں کو تبلیغ اسلام کے نام پر بد مذہب اور گمراہ کرنا ان کا اوّل اصول و فرض ہے۔

دعا گو

سیّد ظہور حسن نظامی عزیزی

اب مذکورہ بالا خطوط پر ایک ہلکا سا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

قلم کا حق

خواجہ حسن نظامی صاحب کا خط اس لحاظ سے بہت زیادہ قابل اعتماد ہے کہ وہ مولانا الیاس کے خاندان سے نیازمندانہ تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے اس بیان کو غلط بیانی پر نہیں محمول کیا جاسکتا اور ان کے اس اعتراف نے تو ان حضرات کو بالکل برہنہ کر دیا ہے کہ "میں اس خاندان کا شاگرد ہوں لیکن ان کے عقائد کے خلاف ہوں۔"

ظاہر ہے کہ اپنے استادوں کے عقائد کی خلاف ورزی صرف اسی حالت میں کی جاسکتی ہے

جبکہ شاگرد کے تئیں وہ عقائد سرتاسر باطل ہوں۔ موصوف کے خط کا وہ حصہ خاص طور پر توجہ کے قابل ہے جس میں انھوں نے تبلیغیوں کے اس جارحانہ اقدام کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے روضۂ پاک کی بے حُرمتی اور تشدد پر یہاں تک اُتر آئے کہ متعدد افراد زخمی ہو گئے۔

اس مقام پر ایک لمحے کے لیے رُک جائیے! اب ایک طرف اس واقعے کو نظر میں رکھیے اور دوسری طرف حجاز مقدس کی سرزمین پر مزارات صحابہ و اہلبیت کے ساتھ نجد کے وہابیوں کی اُن لرزہ خیز شقاوتوں کا حال پڑھیے جن کی تفصیلات پچھلے اوراق میں گزر چکی ہیں۔ آپ کا یقین اندر سے چیخ اٹھے گا کہ یہاں کی تبلیغی جماعت بھی ٹھیک اسی راستے پر چل رہی ہے جس راستے سے کبھی صحرائے نجد کے درندے گزرے تھے۔ بے سروسامانی کے عالم میں جب گستاخ ذہن کا یہ تیور ہے تو خدانخواستہ تبلیغی جماعت کو اگر سیاسی اقتدار کے وسائل بھی میسر آ جائیں تو حجاز کی طرح یہاں بھی کربلا کی تاریخ دُہراتے ہوئے انھیں کیا تامل ہوگا؟ پھر تو خدانہ کردہ یہاں بھی زمین کے نقشے سے اجمیر کے خواجہ، دہلی کے قطب و نظام، کلیر کے صابر، پاک پتن کے فرید، لاہور کے داتا اور ہند و پاک کے بے شمار اولیائے مقربین کے مزاروں کے نشانات حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیے جائیں گے۔

ایک لمحۂ اضطراب

ہند و پاک میں عشق و عرفان کے ان روحانی مرکزوں کا وجود جن بدبختوں کے ذہن پر بوجھ بنا رہتا ہے اُن سے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ البتہ وہ خوش عقیدہ مسلمان جو ان مزارات طیبات کو باطنی فیضان اور روحانی تسکین کا سرچشمہ سمجھتے ہیں ان کی غیرت وفا کو ضرور للکاروں گا کہ وہ خون کے آنسو رونے کے لیے وقت کا انتظار نہ کریں۔

آج تبلیغی جماعت کے کیمپ میں کلمہ و نماز کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کا جو ہجوم اکٹھا ہو رہا ہے نجد کی تاریخ شاہد ہے کہ حالات سازگار ہو جانے کے بعد یہی ایک دن غارتگروں کے لشکر میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس دن ہماری بدنصیب آنکھوں کا اس کے سوا اور کوئی مصرف نہ ہوگا کہ وہ اپنی آرزوؤں کی خاکستر پر خون کے آنسو بہائے اور اپنی عقیدتوں کے ویرانے پر پھوٹ پھوٹ کر روئے ——— اس لیے ضرورت ہے کہ اس سیاہ دن کا

سامنا کرنے سے پہلے آج ہی ہم طوفان پر بند باندھنے کی کوشش کریں اور اپنے آقاؤں کے حرم کے ایک وفادار محافظ کی طرح دشمن کی تخریبی سرگرمیوں کا پوری ذہانت کے ساتھ جائزہ لیں۔ دشمن کو دشمن نہ سمجھنا ایک خوفناک غفلت ہے جس کا انجام کبھی بخیر نہیں ہوا ہے۔

تبلیغی جماعت کا خطرناک منصوبہ اب معلومات کی تاریکی میں نہیں ہے کہ ہم کسی خوش فہمی میں مبتلا رہیں۔ اشارات کی زبان میں انھوں نے سب کچھ اُگل کر رکھ دیا ہے کہ وہ ہمیں ایمان وعقیدت کے کسی مقتل کی طرف لے جا رہے ہیں۔

اب اپنے مذہبی مستقبل کے تحفظ کے لیے سوا اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں رہ گیا ہے کہ ایک ایک مسلمان کا دامن تھام کر ہم کھلے بندوں کہہ دیں کہ تبلیغی جماعت دین کے خادموں کا کوئی گروہ نہیں بلکہ ایمان کے رہزنوں کا ایک سفید پوش دستہ ہے جو عشق وعرفان کی متاع عزیز پر شبخون مارنے اٹھا ہے۔ ان کے مصنوعی تقدس اور بناوٹی انکسار کے پیچھے خوفناک درندوں کا ارادہ چھپا ہوا ہے۔ یہ بے غرض ناصح کی طرح صاف صاف اپنے دل کی بات نہیں کہتے بلکہ مسکراتے ہوئے ٹھگوں کے مثل ہر وقت شکار کرنے کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے متعلق علمائے دیوبند کے دو فتوے

بہت ممکن ہے کہ خواجہ حسن نظامی اور ناظم اعلیٰ جماعت نظامیہ درگاہ نظام الدین دہلی کے اس بیان کو کہ یہ لوگ درگاہوں، میلاد وقیام اور عرس وفاتحہ کو برداشت نہیں کرتے، کوئی مذہبی تعصب پر محمول کرلے اس لیے ذیل میں خود تبلیغی جماعت کے علماء کے دو فتوے نقل کرتا ہوں جن سے اچھی طرح واضح ہوجائے گا کہ تبلیغی جماعت کے عقائد کیا ہیں اور وہ کس رُخ پر ہند وپاک کے مسلمانوں کو لے جانا چاہتی ہے۔ پہلے سوال کی عبارت ملاحظہ فرمائیے جسے جھاڑسوگڑا ضلع سمبلپور اڑیسہ کے ایک شخص نے بھیجا تھا۔

پہلا فتویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلے میں کہ ایک مسجد کا امام علانیہ تبلیغی جماعت کے رہنماؤں پر یہ بہتان لگاتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کی اصلاح کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ جاننے کے باوجود بھی یہ لوگ جاہل مسلمانوں کو بدعت کے کاموں جیسے میلاد، قیام، عرس، گیارھویں، تیجہ، چہلم وغیرہ سے نہیں روکتے حالانکہ وہ

لوگ (تبلیغی جماعت والے) حضرات علمائے دیوبند کے تبعین میں سے ہیں خود ان کے نزدیک یہ چیزیں شرک کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔

خالی نماز سے کیا فائدہ، جبکہ دل میں ایمان کی جگہ شرک و بدعت کا اثر ہے یا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب حالات سے مجبور ہو کر یہ لوگ بھی ان بدعتوں کو جائز قرار دینے لگے ہیں۔ نعوذ باللہ

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ بانئ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، حضرت مولانا عمران صاحب (بھوپال) حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب کلکتوی جیسے رہنمایانِ تبلیغ کی توحید پرست ذات پر اس بدبخت امام نے جو غلیظ بہتان لگایا ہے از رُوئے شریعت اس کی امامت جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

(سائل رحیم بخش۔ ہٹری بازار۔ جھاڑسوگڑا)

دار الافتاء دار العلوم دیوبند کا جواب

امام مذکور کا قول غلط ہے۔ نماز اس کے پیچھے مکروہ ہوتی ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کو امامت سے معزول کر کے دوسرا امام مقرر کریں۔ باری تعالےٰ کا ارشاد ہے: اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ (الآیہ) جو حضرات تبلیغ میں کام کر رہے ہیں وہ بہ نرمی مناسب طریقہ سے ہر طرح کی اصلاح کا خیال رکھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مسعود احمد عفا اللہ عنہ

نائب مفتی دار العلوم دیوبند ۲ ھ

میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے خلاف اس سے زیادہ جذبۂ نفرت و مذمت

اقبال جُرم

اور کیا ہو سکتا ہے کہ جو شخص ان امور کو تبلیغی جماعت کی طرف منسوب کر دے وہ امامت کا اہل نہیں رہ جاتا اور وہ اگر اس گناہِ عظیم سے توبہ نہ کرے تو اُسے امامت سے

معزول کر دیا جائے ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسھم

اب جہاں تک ان امور خیر سے روکنے کا سوال ہے تو دبی زبان سے اس کا بھی اقرار کر لیا گیا کہ تبلیغ میں کام کرنے والے مناسب طریقہ سے یہ فرض بھی انجام دے رہے ہیں ۔ اس فتوے سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ جو شخص اپنی امامت کی اہلیت کو برقرار رکھنا چاہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کو ان امور خیر سے روکنے والا اعتقاد کرے ۔ واضح رہے کہ مناسب طریقہ سے وہی طریقہ مراد ہے جس میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکے اور مسلمان ذبح ہو جائے ۔

کیا اب بھی کوئی تبلیغی یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ سے لوگوں کو روکنے کی وہ خاموش مہم نہیں چلاتے ۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ وہ برملا اپنی مذہبی دیانت کا خون کرتا ہے ۔

دوسرا فتویٰ

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ تقویۃ الایمان ، بہشتی زیور ، تحذیر الناس ، براہین قاطعہ ، فتاویٰ رشیدیہ کیسی کتابیں ہیں ؛ یہاں ایک مولوی صاحب کہہ گئے ہیں کہ یہ بالکل باطل کتابیں ہیں ۔ یہاں چونکہ تبلیغی جماعت کا اثر ہے اس لیے وہ یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس صاحب اور مولانا محمد یوسف بھی ان کتابوں کے سخت خلاف ہیں ۔ کیا یہ سچ ہے ؟

بلکہ وہ یہاں تک کہتے تھے کہ گیارھویں ، یا غوث ، یا رسول اللہ ، قیام روضہ ، تیجہ ، چہلم ، عرس وغیرہ کو یہ حضرات بالکل جائز سمجھتے ہیں کیونکہ اپنی جماعت کے لوگوں کو منع نہیں کرتے ۔

مولوی صاحب کے اس بیان سے یہاں کے اُن تمام حلقوں میں جو ہمیشہ سے حضرات علماء دیوبند کو مانتے چلے آئے اور اس وقت تبلیغی جماعت میں بڑی سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں ۔ ایک عجیب سنسنی پھیل گئی ہے ۔ للہ سب کام چھوڑ کر سب سے پہلے ہم لوگوں کا یہ خلجان دُور کیجیے ورنہ سخت اندیشہ ہے کہ کہیں

اپنی جماعت میں پھوٹ نہ پڑ جائے۔

سائل محمد یٰسین۔ جمشید پور

اب تبلیغی جماعت کی معتمد درس گاہ مدرسہ امینیہ دہلی کے دار الافتاء کا یہ جواب ملاحظہ فرمائیے:

الجواب

تقویۃ الایمان، بہشتی زیور وغیرہ مذکورہ بالا کتابیں مستند اور صحیح ہیں۔ ان کے لکھنے والے متدین عالم تھے جو ان کتابوں کو باطل کہتا ہے وہ گمراہ ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ مولانا الیاس مرحوم اور مولوی محمد یوسف صاحب ان کتابوں کے خلاف ہیں گیارھویں، تیجہ وغیرہ کو یہ ناجائز ہی سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا تھانوی کے ماننے والے ہیں۔

(محمد ضیاء الحق دہلوی مدرسہ امینیہ دہلی)

قلم کا حق واضح رہے کہ یہ وہی مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان ہے جس میں انھوں نے رسول پاکؐ کی شان میں ایسے ایسے توہین آمیز کلمات استعمال کیے ہیں جنھیں پڑھ کر غیر تو غیر ہیں ان کے اپنے بھی شدت کرب سے چیخ اُٹھے ہیں۔ ان کے گستاخ قلم کے نشتر کا ردِّ عمل دیکھنا چاہتے ہوں تو مولانا عامر عثمانی ایڈیٹر تجلی دیوبند کا یہ بیان پڑھتے رہتے ہیں:

"میں نے دیکھا کہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تقویۃ الایمان میں فصلٌ فی الاجتناب عَنِ الاشراك کے ذیل میں لکھا ہے:

ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے"۔ تجلی فروری و مارچ ۱۹۵۷ء

کیا اس کا صاف اور بدیہی مطلب یہ نہیں ہے کہ اولیاء و صحابہ تو ایک طرف رہے، تمام انبیاء و رسل اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

کیسا خطرناک اندازِ بیان ہے۔ کتنے لرزا دینے والے الفاظ ہیں۔

اب اسی تقویۃ الایمان سے متعلق وہ عبرت انگیز کہانی سنیے جو ہندوستان کے مسلمانوں کو رہتی دنیا تک خون کے آنسو رلائے گی اور جس کی لگائی ہوئی آگ اسلام کے خرمن میں آج تک سلگ رہی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کب تک سلگتی رہے گی۔

کہتے ہیں کہ مولوی اسماعیل دہلوی جب تقویۃ الایمان کی تصنیف سے فارغ ہوئے اور کتاب مکمل ہو گئی تو انھوں نے اپنے احباب کو جمع کیا اور اُن کے سامنے تقویۃ الایمان پیش کی۔ اب اس کے بعد کا واقعہ دیوبندی مذہب کی مستند کتاب "ارواح ثلاثہ" کے مصنف کی زبانی سنیے، لکھتے ہیں:

"اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً اُن امور کو جو شرک خفی تھے "شرک جلی" (یعنی اسلام سے خارج کر دینے والا شرک) لکھ دیا گیا ہے۔

ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہو گی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو میں آٹھ دس برس میں بتدریج بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزمِ جہاد ہے۔ اس لیے میں اس کام سے معذور ہو گیا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے۔ گو اس سے شورش ہو گی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔" (ارواح ثلاثہ ص ۸۱)

شورش کا اندیشہ تو صحیح نکلا لیکن ٹھیک ہو جانے کی توقع اب تک پوری نہیں ہوئی۔ حیرت ہے مجھے ان حضرات کی ناپاک جسارت پر کہ دیدہ و دانستہ اُمّتِ مسلمہ کو زہر کا گھونٹ پلاتے وقت ان لوگوں نے ذرا نہیں سوچا کہ قیامت کے دن خدا کو کیا جواب دیں گے — جب یہ معلوم تھا کہ اس کتاب کی اشاعت سے شورش و اختلاف کا ایک حشر برپا ہو گا تو

اُمتِ محمدیؐ کو اس مہلک آزار میں مبتلا کرنا کیا ضرور تھا۔

لیکن اس قیامت آشوب داستان کا سب سے عبرتناک پہلو تو یہ ہے کہ نشیمن سے اُٹھتا ہوا دُھواں دیکھ کر بھی لوگوں کو چمنستانِ اسلام کی بربادی پر ذرا ترس نہیں آتا۔ آگ بجھانے کی بجائے آج بھی کچھ لوگ اسی تقویۃ الایمان کے منحوس اوراق سے چنگاریوں کو ہوا دے رہے ہیں۔

تبلیغی جماعت کی خدمات کا جائزہ

تبلیغی جماعت کے اغراض و مقاصد اور اس کے طریقۂ کار کے متعلق اب تک جتنی شہادتیں میں پیش کر چکا ہوں انھیں سامنے رکھ کر انصاف سے بتائیے کہ ان کی روشنی میں کیا یہ بات اچھی طرح واضح نہیں ہو جاتی کہ یہ ایک نہایت گستاخ اور بدعقیدہ جماعت ہے اور یہ کہ تبلیغ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح مسلمانوں کو ایک نئے فرقے میں تبدیل کرنا اس کی جدوجہد کا آخری نقطہ ہے۔ نیز انجام کار یہ یہاں وہی کچھ کرنا چاہتی ہے جو نجد کی تبلیغی جماعت نے حالات سازگار ہونے کے بعد حجاز میں کیا تھا

اتنی واضح اور یقینی شہادتوں کے بعد بھی اگر آپ تبلیغی جماعت کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں تو میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ واقعات کے اس نقطے پر ایک غیر جانب دار ذہن کے ساتھ غور فرمائیں۔

تقریباً چالیس پچاس برس سے ہندوستان میں تبلیغی جماعت قائم ہے۔ یہ سوال اگر خارج از بحث بھی قرار دے دیا جائے کہ اس طویل مدت میں اس نے کتنے غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا، جب بھی یہ سوال اپنی جگہ پر قطعاً معقول ہے کہ تبلیغی گشتوں، چلوں اور اجتماعات کی مہم پر سال میں لاکھوں لاکھ روپے پانی کی طرح بہا دینے کے بعد بھی عملی دنیا میں اس کی خدمات کے نتائج کیا ہیں؟

کتنے مسلمانوں کو اس نے حقیقی طور پر دیانت و تقویٰ اور خدا ترسی کے جوہر سے آراستہ کیا بلکہ مجھے کہنے دیا جائے کہ دینی زندگی برپا کرنے کی بات تو الگ رہی، مسلم معاشرہ میں عمل کی جو برائیاں آج سے پچاس برس پہلے تھیں بجائے اس کے کہ اُن میں کچھ کمی واقع ہوتی

اور اضافہ ہوگیا۔

آپ کہیں گے یہی ایک خدمت کیا کم ہے کہ تبلیغی جماعت کی جد و جہد سے بہت ساری مسجدیں آباد ہوگئیں۔ میں کہوں گا اول تو مومن کا اصل تقویٰ عبادات میں نہیں، معاملات میں پرکھا جاتا ہے ورنہ تاریخ میں کتنے ہی ایسے نمازی ملیں گے جنھوں نے پیشانی پر سجدوں کا نشان لیے ہوئے قدم قدم پر اپنی ملت کا وقار مجروح کیا ہے۔ دیکھنا یہ نہیں ہے کہ مسجد کے صحن پر سجدوں کے نشانات کتنے ہیں۔ دراصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جو لوگ مسجدوں کے اندر پہنچ گئے ہیں باہر ان کی زندگی کا نقشہ کیا ہے؟

عملی زندگی تبلیغی جماعت کے کیمپ کے رنگروٹوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے انکے مقدس رہنماؤں کے جو حالات منظر عام پر آئے ہیں وہ انتہائی افسوسناک ہیں۔ تبلیغی جماعت کے مرکزی قائد مولوی منظور نعمانی صاحب کے متعلق آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے سلسلے میں ریلیف فنڈ کے ساٹھ ستر ہزار روپے کے غبن کا الزام آج تک ان کے اوپر عائد ہے۔

(۲) جمشید پور کے فساد کے موقعہ پر ریلیف کے اموال و نقود کے خیانت و غبن کے متعلق جو شرمناک الزام تبلیغی جماعت کے لوگوں پر ہے وہ ہر کس و ناکس جانتا ہے۔ مظلوموں، یتیموں اور بیواؤں کا حق غصب کرکے اچانک رئیس بن جانے والے آج معلومات کے اجالے میں ہیں۔

(۳) پندرہ روزہ "الحسنات" رام پور ۶۵ ۹ کی اطلاع کے مطابق لکھنؤ میں اسی سال تبلیغی جماعت کے ایک "دین دار" رئیس نے اپنی لڑکی کی شادی میں تین لاکھ روپے خرچ کیے ہیں۔ دینی زندگی کا جذبہ بیدار ہوتا تو اتنی رقم سے پانچ ہزار غریب و لاوارث لڑکیوں کی شادی ہوسکتی تھی۔

(۴) مفتی مالوہ حضرت مولانا رضوان الرحمٰن صاحب کی ایک روایت کے مطابق چند سال ہوئے اندور کے اسٹیشن پر تبلیغی جماعت کا ایک دستہ پکڑا گیا جس کے پاس کافی مقدار میں ناجائز افیون تھی۔ کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے اندور کے مسلمانوں پر ان لوگوں کے

تبلیغی گشت کا سارا راز فاش ہوگیا۔

(۵) واقعات کی نشان دہی سے الگ ہوکر صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ ان حضرات کی "دینی زندگی" کا صحیح رُخ معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ایک بار ان کی گھریلو زندگی کا جائزہ لے لیجیے۔ ریاست و امارت کے وہ سارے لوازمات آپ کی نظر سے گزر جائیں گے جو چودھویں صدی کی تہذیب کے "تبرکات" ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ جن لوگوں کے شخصی احوال خود دینی زندگی کے آثار سے خالی ہیں وہ دوسروں میں کیا دینی زندگی کی لگن پیدا کرسکیں گے؟

اس لیے مجھے کہنے دیجیے کہ نمازیوں سے مسجدوں کا آباد ہونا تو آپ نے دیکھ لیا لیکن عشق رسولؐ کے جذبۂ اخلاص سے کتنے دلوں کو ان "پارساؤں" نے ویران کر دیا ہے وہ آپ کو نظر نہیں آیا۔

ابھی چند روز کی بات ہے۔ میں پیل خانہ ہوڑہ کے ایک جلسہ میں گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک صاحب تبلیغی جماعت کے تعلق سے کچھ دن ہوئے نمازی ہو گئے ہیں۔ گنتی کے چند ہی سجدوں نے ان کا دماغ اتنا بوجھل کر دیا ہے کہ اب وہ کھلے بندوں کہتے ہیں کہ ہم بھی عبادت وریاضت کے بل پر محمد رسول اللہ کے برابر ہو سکتے ہیں (معاذاللہ)۔

اور جہاں تک میرا اپنا تجربہ ہے یہ عزازیلی نخوت کچھ اسی ایک نمازی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت کا ہر نمازی اسی طرح کی نخوت میں مبتلا ہے۔ آپ کو شک ہو تو آپ بھی ان کے ماحول سے قریب ہوکر اس کا تجربہ کر لیجئے۔ شاید اسی موقعہ کے لیے کسی نے یہ شعر کہا تھا؎

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دُور مجھے

اب آپ ہی انصاف کیجئے! اس طرح کی نماز سے اُس زیاں کار نمازی کو کیا فائدہ پہنچا؟ اس سے اچھا تو بے نمازی ہی تھا جس کے اندر کم از کم جذبۂ بندگی کا عجز تو تھا۔ عزازیل کی روش اختیار کر لینے کے بعد تو رحمت و مغفرت کی اُمید کا جو بھی ایک رشتہ رہ گیا تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔

یہ تو رہا تبلیغی جماعت کے تربیت یافتہ لوگوں کی عملی زندگی کا حال!

تصویر کا ایک اور رُخ اب ذرا ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے کہ تبلیغی جماعت کے

فیضانِ صحبت سے ذہن و فکر پر اسلام و توحید کی حقانیت کا رنگ کہاں تک چڑھتا ہے۔ سابق صدرِ جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین تبلیغی جماعت کے رفقائے قدیم میں سے تھے۔ اس تحریک کے ساتھ ان کی وابستگی کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ لندن میں سب سے پہلے تبلیغی جماعت کا گشت آپ ہی کی قیادت میں ہوا تھا۔

مولوی محمد یوسف صاحب کے سوانح نگار نے مولوی محمد الیاس صاحب اور ان کی تبلیغی تحریک کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی وابستگی کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

"حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والوں میں کئی ایسے اہلِ علم اور مغربی علوم سے واقف اور یورپ کے تمدن و تہذیب سے گہری واقفیت رکھنے والے حضرات تھے۔ ان میں سرِ فہرست ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ جامعہ ملیہ اور حال صدرِ جمہوریہ ہیں۔ مدتوں سے یہ حضرات مولانا محمد الیاس صاحب کی خدمت میں آتے جاتے تھے اور حضرت مرحوم سے گہرا تعلق ہو گیا تھا اور اس تحریک کے مؤیدین میں سے تھے"۔ سوانح مولانا محمد یوسف۔ ص ۲۴۶

اس کے بعد لندن کے تبلیغی گشت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب ایک تعلیمی کانفرنس میں لندن گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس گشت کا افتتاح کیا"۔ ص ۲۴۷

اب انہی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کا ایک خط ملاحظہ فرمائیے جسے انھوں نے کلکتہ کی ایک خاتون کے نام لکھا تھا اور جو انگریزی اخبار "انڈین ایکسپریس" میں شائع ہوا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں ایک ایسی پرستش گاہ کی ضرورت ہے جہاں مختلف مذہبوں کے لوگ جا جا کر اپنے خدا کی عبادت کریں۔ مختلف مذاہب تو بس ایک ہی حقیقتِ کبریٰ (منزلِ مقصود) کے لیے مختلف راستے ہیں۔

ہم بہت بڑا کام کر ڈالیں گے اگر کوئی ایسا راستہ نکالیں جس سے

اس سوچ کی عادت ختم ہو جائے کہ ایک ہی متعین سڑک یا راستہ ہے۔
:۔ انڈین ایکسپریس ۸ر اکتوبر ۱۹۶۸ء

غور فرمائیے! یہ ہے ذہن اس دینی مبلّغ کا جو عرصۂ دراز تک مولانا الیاس اور ان کی تبلیغی جماعت کے فیضانِ صحبت سے بہرہ مند ہو چکا ہے۔ دینی زندگی کی بات تو الگ رہی اُسے اس بنیاد ہی سے انکار ہے کہ صرف اسلام ہی خدا کا سچا دین اور سلامتی کا واحد راستہ ہے اب آپ ہی بتائیے کہ تبلیغی جماعت کی اس خدمت کو کس خانے میں جگہ دی جائے۔

اصل کارگزاری

آپ کہیں گے کہ عملی اور فکری سطح پر اگر تبلیغی جماعت کی خدمات کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے تو ہزاروں ہزار افراد کا قافلہ بلا وجہ شب و روز سر گرداں رہا کرتا ہے۔ میں کہوں گا بلاشبہ اثر پڑا ہے اور بہت بڑی حق تلفی ہوگی۔ اگر تبلیغی جماعت کی قرار واقعی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے۔

تبلیغی جماعت کی وہ خدمت جسے مذہبی سالمیت اور دینی اتحاد کے خلاف تخریبی سازشوں کی تاریخ میں سرونق پر جگہ دی جائے گی۔ یہ ہے کہ اس نے کلمہ و نماز کے نام پر صحیح الاعتقاد مسلمانوں کا ایک جھنڈ اکٹھا کیا اور رفتہ رفتہ انھیں ایک نئے فرقے میں تبدیل کر دیا۔ جماعت کے پُراسرار ماحول میں پہنچ کر اور تو وہ کچھ نہیں چھوڑ سکے البتہ ماحول کے اثر سے انھوں نے اپنا موروثی مذہب ضرور چھوڑ دیا۔

اور ہوش کے کان سے سُن لیا جائے کہ تبلیغی جماعت کے خلاف میں کوئی غلط الزام نہیں تراش رہا ہوں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ تبلیغی جماعت کی اصلاحی خدمات کی سرگزشت ہے — بیتا ہوا واقعہ ہے — یقین نہ آئے تو اس کا ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔

میوات، جو تبلیغی جماعت کا مفتوحہ علاقہ ہے وہاں تبلیغی جماعت کے قدم رنجہ فرمانے سے پہلے مسلمانوں کے مذہبی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"سید سالار مسعود غازی کے مزار کی زیارت کے لیے بہرائچ جاتے ہیں اور اُن کے جھنڈے کے نیچے جو قسم کھائی جاتی ہے اُس کو بہت پکی قسم سمجھتے ہیں اور اس کا پُورا کرنا بہت ضروری جانتے ہیں اور ہندستان کے دوسرے متبرک مقامات

کی زیارت کے لیے بھی جاتے ہیں"۔ ۔ دینی دعوت ص ۲۷

لیکن تبلیغی جماعت کا سکہ رائج ہونے کے بعد سے اب وہاں کے لوگ مزارات کی زیارت کو نہیں جاتے، سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت کا اُن کے دل پر اب کوئی اثر باقی نہیں ہے، محبوبان خداوندی سے ان کی رُوح کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ اب متبرک مقامات کی فہرست میں دیوبند، سہارنپور، بستی نظام الدین اور تھانہ بھون وغیرہ کو جگہ دی گئی ہے۔

اب سننے کی چیز یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگوں نے کس طرح انھیں ذہنی طور پر ایک نئے فرقے میں تبدیل کیا۔ اسے غور سے سنیے کہ یہ ایک نہایت دلچسپ داستان ہے۔ تبلیغی جماعت کے ذریعہ میواتیوں کی مذہبی اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"بے دینی، بدعات و رسوم اور فسق و فجور کی باتیں اور عادتیں موافق ہوا و فضا نہ پانے کی وجہ سے خود بخود مضمحل ہونے لگیں۔ اس حقیقت کو ایک سن رسیدہ تجربہ کار میواتی نے بڑی بلاغت کے ساتھ بیان کیا جس پر کسی اضافے کی گنجائش نہیں۔

قاری داؤد صاحب نے ایک میواتی سے اس کا عندیہ لینے کے لیے پوچھا کہ تمھارے ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ بوڑھے میواتی نے کہا: اور تو میں کچھ نہیں جانتا اتنا جانوں کہ جن باتوں کے لیے پہلے بڑی کوششیں کی جاتی تھیں اور ایک بات بھی نہیں ہوتی تھی وہ اب آپ ہی آپ ہو رہی ہے اور جن باتوں کو بند کرنے کے لیے پہلے بڑی بڑی لڑائیاں لڑی جاتی تھیں اور بڑا زور لگایا جاتا تھا اور ایک بات بھی نہیں بند ہوتی تھی اب وُہ بے کہے سُنے خود بخود بند ہوتی جا رہی ہیں"۔ دینی دعوت ص ۹۰

اب اس کے بعد کی عبارت میں "خود بخود بند" ہونے کے اسباب کی تشریح ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

"مولانا (الیاس) کے نزدیک اس اصلاح و تغیر کا سب سے بڑا سبب اہل میوات کا باہر نکلنا اور خصوصاً یو۔پی کے دینی مرکزوں (دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون وغیرہ) جانا تھا"۔ ص ۹۰

واضح رہے کہ ان سارے اقتباسات کے حوالوں سے صرف اس ماحول کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جس میں ڈھل جانے کے بعد "خود بخود بند" ہونے کی منزل آجاتی ہے یہی ہے تبلیغی گشت کا وہ سب سے بڑا راز جس کے ذریعہ صحیح الاعتقاد مسلمانوں کا مذہب خود بخود تبدیل ہو جاتا ہے۔

زخموں کے نشانات

اس نعرہ کی تکذیب و تردید کے لیے صرف میوات ہی کا واقعہ نہیں ہے کم و بیش ہر جگہ اس طرح کی متعدد مثالیں مل جائیں گی کہ ایک شخص تبلیغی جماعت میں شامل ہونے سے پہلے بالکل صحیح العقیدہ مسلمان تھا عملاً بھی اور اعتقاداً بھی۔ لیکن تبلیغی جماعت کے زیرِ اثر کچھ ہی دنوں کے بعد اس کے خیالات بدلنے لگے یہاں تک کہ آگے چل کر وہ سخت قسم کا بدعقیدہ بن گیا۔

ہندوستان کی ایسی سینکڑوں آبادیاں خود میرے علم میں ہیں جہاں کے دو چار آدمیوں کو اسی خوشنما فریب کی راہ سے تبلیغی جماعت والوں نے اپنی تحریک میں شامل کیا اور جب دو ایک چلہ گزار کر وہ اپنی آبادی میں واپس لوٹے تو اپنی تبدیل شدہ ذہنیت کے نتیجے میں انھوں نے چند ہی دنوں میں اپنی آبادی کا مذہبی اتحاد پارہ پارہ کر ڈالا اور وہاں اختلاف خیال کی بنیاد پر ایک سنگین قسم کی فرقہ بندی شروع ہو گئی۔

مثال کے طور پر گزشتہ سے پیوستہ سال مہاراشٹر کے ایک ضلع ایوت محل کے قصبہ منیر میں تبلیغی جماعت والوں کا یہ فتنہ اتنا طول پکڑ گیا کہ وہاں دو فریق کے درمیان بحث و مناظرہ کی نوبت آ گئی۔

در اصل کہنے کا مدعا یہ ہے کہ اگر تبلیغی جماعت کی سرگرمیاں صرف کلمہ و نماز تک محدود ہیں اور اسے عقائد و فرقہ بندی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو اس سوال کا جواب دیا جائے کہ اس تحریک میں شامل ہو کر لوگ بدعقیدہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ نماز اور کلمے کی خاصیت تو یہ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرے اس لیے ماننا پڑے گا کہ تبلیغی جماعت کلمہ و نماز کی تبلیغ کے نام پر در اصل بدعقیدگی اور علیحدگی پسندی کی تبلیغ کرتی ہے اور تجربات و نتائج کے اعتبار سے یہی اس کی اصل خدمت ہے۔ ہو سکتا ہے کسی حلقے میں یہ خدمت بھی

سراہنے کے قابل ہو لیکن عام مسلمانوں کی مذہبی آسائش پر یہ انتہائی دردناک حملہ ہے۔
اتنی تفصیلات کے بعد بھی تبلیغی جماعت کی گمراہیوں کو محسوس کرنے کے لیے اگر ذہن کا کوئی گوشہ تشنہ رہ گیا ہو تو ورق اُلٹیے اور ساتویں باب کا مطالعہ کیجیے۔

باب ۸

تبلیغی جماعت اپنے گھر میں

یہاں تک تبلیغی جماعت کے متعلق جو کچھ سپرد قلم کیا گیا ہے وہ واقعات و حقائق کی روشنی میں عقل و استدلال کا فیصلہ تھا۔ ہوسکتا ہے اس فیصلے کو کسی خارجی جذبے پر محمول کرکے کوئی راہ حق سے گریز کا راستہ تلاش کرے۔ اس لیے اب میں تبلیغی جماعت پر اُس رُخ سے بھی روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ اُس کے متعلق گھر والوں کی رائے کیا ہے؟

کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی جماعت یا فرد کے صحیح حالات سے باہر کے لوگوں کو اتنی واقفیت نہیں ہوتی جتنی واقفیت گھر کے لوگوں کو ہوا کرتی ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ باہر تو آدمی اپنے چہرے پر مصنوعی تقدس اور بناوٹی خوشنمائیوں کے بہت سارے نقاب ڈالے رہتا ہے، اس کے کردار کی اصل تصویر باہر نہیں، گھر میں نظر آتی ہے جہاں زندگی کا ہر گوشہ بے نقاب رہتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کسی فرد یا جماعت کی اصل حقیقت سے باخبر ہونے کے لیے گھر والوں کی رائے سب سے زیادہ قابلِ اعتماد قرار دی جاتی ہے۔ یہاں مذہبی تعصب اور جماعتی عناد کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں جو کچھ ہے سر تا سر واقعہ ہے، حقیقت کا اظہار ہے اور ایک سربستہ راز ہے جو اچانک فاش ہوگیا ہے۔

دھماکہ خیز انکشافات تبلیغی جماعت کے متعلق خود علمائے دیوبند اور تبلیغی جماعت کے پُرانے کارکنوں کی زبانی جو شرمناک حالات منظرِ عام پر آئے ہیں وُہ ان لوگوں کی پشت پر قدرت کا ایک "تازیانہ" ہیں جو دور سے تبلیغی جماعت کے نمائشی تقدس اور دینی اخلاص پر فریفتہ تھے اور ہزار فہمائش کے باوجود اپنی مذہبی خودکشی کے ارادہ سے باز آنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ حقیقت کی طرف واپس لوٹنے

ئے لیے اس نے پردۂ غیب سے اپنے بندوں کی خود چارہ گری فرمائی اور جو بات سوچی نہیں جاسکتی تھی اب وہ پیکرِ محسوس میں سامنے آگئی۔

داستان کا آغاز

شرح اس داستان کی یہ ہے کہ قصبۂ تاؤلی ضلع مظفر نگر یو۔پی میں مدرسہ حسینیہ نام کا ایک دیوبندی مدرسہ ہے وہاں ۲۶۔فروری ۱۹۶۸ء کو ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا جس میں دیوبندی فرقے کے اکثر مشاہیر شریک ہوئے اور کم وبیش سارے مقررین نے اپنی اپنی تقریروں میں تبلیغی جماعت پر کھل کر تنقیدیں کیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر مولوی عبدالرحیم شاہ نامی ایک دیوبندی فاضل کی تقریر بہت زیادہ مبسوط اور دھماکہ خیز تھی۔ دیوبندی حلقے میں تبلیغی جماعت کے خلاف موصوف کی وہ تقریر اتنی گرانقدر اور اہم سمجھی گئی، کہ "اصول دعوت و تبلیغ" کے نام سے وہ الجمعیۃ پریس دہلی سے چھپ کر کتابی شکل میں بھی شائع ہوگئی۔

اس کتاب کے مرتب مولوی نور محمد چندینی نام کے ایک دیوبندی فاضل ہیں۔ موصوف مولانا عبدالسبحان میواتی کے معتمد خاص ہیں جو علاقۂ میوات میں تبلیغی جماعت کے بہت بڑے مقتدا تھے۔ جیسا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولوی محمد یوسف کے سوانح نگار نے اپنی اپنی کتابوں میں انھیں جماعت کا سرخیل اور استاد عربی لکھا ہے۔

اتنی تمہید کے بعد اب کتاب "اصول دعوت و تبلیغ" کی اہمیت و مقبولیت اور اس کی طلسم کشائی کا اندازہ لگانے کے لیے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کا یہ اداریہ پڑھیے۔ مدیرِ موصوف لکھتے ہیں:

"ہمارے پاس "اصول دعوت و تبلیغ" کے نام سے ایک رسالہ تبصرہ کے لیے آیا ہے جس کے مصنف مولوی عبدالرحیم شاہ صاحب (بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی) ہیں۔ اس کا کافی حصہ تو اس بحث پر مشتمل ہے کہ تعلیمات قرآن وسنت سے صحیح واقفیت کی بنا پر امت اسلامیہ کی رہنمائی و ہدایت کا حق علماء کو پہنچتا ہے — اس کے بعد تبلیغی جماعت کے اندرونی نظام عمل کے متعلق بھی بعض واقعات و روایات کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔

ہم نے اس رسالہ پر اپنے تبصرہ اور اپنی کسی بھی رائے کے اظہار کو

اس لیے روک دیا کہ ہم اولاً تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات کو اس پر متوجہ کریں کہ اس رسالہ میں جو کچھ حالات بیان کیے گئے ہیں وہ ان کی تصدیق یا تردید فرمائیں "؛۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص ۴ بابت ماہ ستمبر ۶۸ء

اس کے بعد کا حصہ بڑا ہی دلچسپ اور سنسنی خیز ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس رسالہ کی اشاعت کو کئی مہینے گزر گئے اور اخبار الجمعیۃ میں اس کے متعلق کئی مضامین بھی نکل چکے ہیں۔ اس کے باوجود تبلیغی جماعت کی طرف سے خاموشی برتی گئی۔ یہ خاموشی ایک بہت بڑے طبقے کو ذہنی خلجان میں ڈال سکتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ خاموشی اگر اسی طرح قائم رہی تو اس رسالہ کے مندرجات سے ایک بڑے طبقے کا متاثر ہو جانا غیر طبعی نہ ہوگا"؛۔ ماہنامہ دارالعلوم ص ۴۔

واضح رہے کہ اس کتاب کے مندرجات سے متعلق یہ تاثرات کسی معاند کے نہیں ہیں بلکہ تبلیغی جماعت کے ساتھ اپنے عقیدت مندانہ تعلق کا خود مدیر موصوف نے ان لفظوں میں اظہار فرمایا ہے:

"تبلیغی جماعت کے متعلق ہم نہایت خیر خواہانہ جذبات رکھتے ہیں اور مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص وایمان نے جو عظیم الشان نتائج پیدا کیے ہیں ان کے قدرداں، اور انھیں جماعتی اختلاف و انتشار سے محفوظ رکھنے کے آرزو مند ہیں"؛

؛۔ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ص ۷۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے ان شذرات سے دیوبندی جماعت میں مولوی عبدالرحیم شاہ کی آواز کا وزن واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اتنی تمہید کے بعد اب مولوی عبدالرحیم شاہ کی تقریر کا پس منظر ملاحظہ فرمائیے۔ مولوی نور محمد جنیدی اپنے پیش لفظ میں شاہ صاحب کی تقریر کا ایک اہم حصہ نمایاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا نے دورانِ تقریر میں خاص طور پر فرمایا کہ ہمیشہ سے اہل علم ہی قرآن اور اس کے معانی کے محافظ رہے۔ کس قدر احمق ہیں وہ لوگ جو علماء کا استخفاف کر کے دین کی تخفیف کر رہے ہیں۔

مولانا نے مزید برآں حالات پر روشنی ڈالی جو فی زمانہ کچھ ناعاقبت اندیش مصنوعی دین کا درد رکھنے والوں (تبلیغی جماعت والوں) کی جانب سے رونما ہو رہے ہیں۔ میوات کا علاقہ خاص طور پر اُن کا شکار ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ جو کام اہل علم کا ہے وُہ ایسے لوگ انجام دینا چاہتے ہیں جو نہ صرف دین سے ناآشنا ہیں بلکہ اپنی سفاہت وجہالت اور اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے معاشرہ میں بھی کسی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔ یہ تو ایسا سمجھیے۔ اذا کان الغرابُ دلیلُ قومٍ سیھدیھم طریق الھالکینا"۔:۔ اصول دعوت وتبلیغ ص ۴۔

اپنے پیش لفظ میں مولوی نور محمد چندینی نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس شک کا بھی ازالہ کر دیا ہے کہ اس جلسہ میں تبلیغی جماعت کی نقاب کشائی کا دینی فریضہ انجام دینے میں صرف مولوی عبدالرحیم شاہ اکیلے نہیں تھے بلکہ دیوبندی فرقے کے دوسرے مشاہیر علماء بھی اس فرض کی انجام دہی میں اُن کے شریکِ حال ہو گئے تھے۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

"میں نے دیکھا کہ مولانا کی اس تقریر سے علماء کا مجمع اس قدر متاثر ہوا کہ مولانا موصوف کے بعد آنے والے ہر مقرر کا یہی موضوع بن گیا اور جو عالم بھی آیا مولانا کی تائید ہی کرتا ہوا۔ مجمع عوام وخواص کا یہ عالم تھا کہ اگر دو چار گھنٹے مولانا اور تقریر فرماتے تو تب بھی جانے کا نام نہ لیتا۔

مولانا کے بعد حضرت مولانا فخر الحسن صاحب دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری وغیرہ نے تقاریر کیں علاوہ ان کے دیگر علمائے کرام وعزیز طلبائے دارالعلوم دیوبند وسہارنپور کثیر تعداد میں شریک جلسہ تھے اور ہزاروں کی تعداد میں عوام وخواص کا مجمع تھا"۔

:۔ اصول دعوت وتبلیغ ص ۵۔

دوسری جگہ کتاب کے حاشیے میں اس سے بھی زیادہ واضح لفظوں میں مولوی نور محمد چندینی نے شرکائے جلسہ کی نشان دہی کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"دورانِ تقریر میں مندرجہ ذیل علمائے کرام موجود تھے۔ حضرت مولانا عبدالاحد صاحب محدث دارالعلوم دیوبند، مولانا فخرالحسن صاحب دارالعلوم دیوبند، مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند، مولانا انظر شاہ کشمیری، مولانا ابوالکلام صاحب مبلغ دارالعلوم، مولانا محمد یعقوب صاحب مظاہر علوم سہارنپور۔ علاوہ ان کے دیگر قرب و جوار کے علمائے کرام اور طلباء دارالعلوم و مظاہر علوم سے اسٹیج بھرا ہوا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مولانا سب کی آواز ہیں"۔ اصول دعوت و تبلیغ ص ۵۴۔

ایک عبرتناک تماشا

ذرا ضمیر فروشی کا یہ دلچسپ تماشا دیکھیے کہ مولوی ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند وہی حضرت ہیں جو علاقۂ برار قصبہ منیر کے مناظرہ میں تبلیغی جماعت کی طرف سے وکیل بن کر آئے تھے اور تبلیغی جماعت کی بیجا حمایت کے صلے میں وہاں انھیں جن شرمناک ذلتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا شاید وہ عمر بھر نہیں بھول سکیں گے۔ رات کی خموشی کا وہ منظر بھی قابل دیدنی تھا جبکہ حق و صداقت کا مدبر ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو بار بار جھنجھوڑ رہا تھا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ ہزاروں کا مجمع گھنٹوں منتظر رہا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی وہ سچائی کی طرف پلٹ آئیں لیکن ایمان و دیانت کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے۔

لیکن یہ قصبہ منیر تھا اب تاؤلی ضلع مظفر نگر کے جلسہ میں وہی مولوی ارشاد احمد اتنے بدل گئے کہ تبلیغی جماعت کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہوئے انھیں ذرا بھی جھجک نہیں محسوس ہوئی۔ جس تبلیغی جماعت کی شقاوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے رسوائیوں کا ایک وبال انھوں نے اپنے سر لے لیا تھا آج بیچ چوراہے خود انھوں نے اس کا بھانڈا پھوڑ دیا۔

اب اس مقام پر سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یا تو انھوں نے قصبہ منیر کے مناظرہ میں حق کا خون کیا تھا یا پھر یہاں انھوں نے حق کے خلاف تلوار اٹھائی ہے۔ دو خون میں سے ایک خون کا الزام ضرور ان کی گردن پر ہے۔ کہنے دیجیے کہ دیوبندی فرقے کا یہی

وہ خاص فن ہے جس کا جواب دُنیا کے کسی فرقے کے پاس نہیں ہے۔ اتنی صفائی کے ساتھ وہ آنکھ کا کاجل چرا لیتے ہیں کہ لٹنے والے کو خبر تک نہیں ہوتی اور غریب کا کام تمام ہو جاتا ہے خدا اُن کے شر سے سادہ لوح مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

بہرحال مذکورۃ الصدر بیانات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ تاؤنی نگر میں جو اجتماع ہوا تھا اس میں مولوی عبدالرحیم شاہ سے لے کر دیگر شرکاء تک سارے کے سارے دیوبندی جماعت کے معتمد مشاہیر تھے۔ اس لیے ان کے بیان کو تبلیغی جماعت کے خلاف کسی مذہبی تعصب پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کتاب کے مطالعہ سے یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ مولوی عبدالرحیم شاہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس اور اُن کے بیٹے مولوی محمد یوسف کے ساتھ ایک عرصۂ دراز تک تبلیغی جماعت میں کام بھی کر چکے ہیں۔

مولوی عبدالرحیم شاہ کا جماعتی مسلک واضح ہو جانے کے بعد اب ذیل میں ان کی تقریر کے اقتباسات سُن لیجیے:

ذہنی زلزلہ

بغاوت کا محرک مولوی عبدالرحیم شاہ دیوبندی نے تبلیغی جماعت کے متعلق اپنے خیالات کی تبدیلی کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ مولوی یوسف صاحب کی زندگی میں انھوں نے بارہا جماعت کے اندرونی مفاسد کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی تھی لیکن ہر بار انھوں نے گریز اور چشم پوشی سے کام لیا۔ اب موصوف ہی کے الفاظ میں یہ پوری کہانی سنیئے:

"تقریباً پانچ چھ سال تک مسلسل مولانا مرحوم (مولانا محمد یوسف) کو اس کی طرف توجہ دلاتا رہا ہوں۔ اور میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ حضرت اگر آپ نے توجہ نہیں فرمائی تو علمائے کرام زیادہ عرصہ خاموش نہیں بیٹھیں گے اور ضرورت ان کو مجبور کر دے گی جس کے نتیجے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا حالات ہوں؛"

—: اصول دعوت و تبلیغ ص ۴۶۔

"تنگ آمد بجنگ آمد" کی حالت پیدا ہو جانے کے بعد اب موصوف کے اقدامات کی تفصیل خود اُنہی کی زبانی سُنیئے۔ فرماتے ہیں:

"بالآخر جب میں نے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں دیکھا تو میں نے استخارہ کیا اور خوب دُعائیں کیں۔ الحمدُللہ! جب مجھے خوب شرح صدر ہو گیا تو میں نے تبلیغی جماعتوں کی موجودگی میں ان کمزوریوں کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا جو مسلمانوں کے لیے سمِّ قاتل کا درجہ رکھتی ہیں"۔ اصولِ دعوت و تبلیغ ص ۴۶۔

مفاسد کی نشان دہی

لگاتار چھ سال تک تبلیغی جماعتوں کے جن مفاسد کی طرف مولوی عبدالرحیم شاہ نے سابق امیر جماعت مولوی محمد یوسف کی توجہ مبذول کرائی اور اُن کی مجرمانہ چشم پوشی کی وجہ سے وہ جماعت سے علیحدہ ہو گئے اور اب انہوں نے استخارہ کر کے رد و قدح کی راہ متعین کی ہے۔ لہٰذا موصوف کے استخارہ اور شرح صدر کے نتیجے میں کم از کم اتنی بات تو ضرور اُن کے قدردانوں کو تسلیم کرنی ہو گی کہ عالم بالا کا اشارہ بھی اسی طرف ہے کہ تبلیغی جماعت کو دین کی سلامتی کے لیے خطرہ سمجھا جائے اور اس خطرہ سے مسلمانوں کو متنبہ کیا جائے۔

اب ذیل میں تبلیغی جماعت کے ان مفاسد کی تفصیل پڑھیے جس نے مولوی عبدالرحیم شاہ جیسے ایک جاں نثار تبلیغی رہنما کو تڑپا دیا اور وہ بیزار ہو کر علیحدہ ہو گئے۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

"(تبلیغی) جماعت کے بعض نا عاقبت اندیش آپس میں اختلاف اور تحزّب کی فضا پیدا کر رہے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں تو بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں اور دوسرے اجلاسوں کے ساتھ مخالفانہ رویّہ اختیار کرتے ہیں اور ہر علاقے کے خواص و امیر جماعت مبلغین کی یہ عام شکایات ہیں کہ وہ بڑے سے بڑے عالم کی نہ خود تقریر سنتے ہیں بلکہ ان کا اور ان کی تقریر کا سبکی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں"۔ اصول دعوت و تبلیغ ص ۴۴

مولوی عبدالرحیم شاہ کا یہ بیان سرسری طور پر پڑھ کر گزر جانے کی چیز نہیں ہے۔

انھوں نے فتنوں کی دھڑکتی ہوئی نبض پر انگلی رکھ کر ایک جان لیوا مرض کا انکشاف کیا ہے۔ جو لوگ تبلیغی جماعت کے کارکنوں سے کچھ بھی سابقہ رکھتے ہیں وہ شاہ صاحب کے اس بیان کی حرف بحرف تصدیق کریں گے۔ تبلیغی جماعت کے ماحول میں جنم لینے والا یہ مرض اس درجہ مہلک ہے کہ اس کے جراثیم سے سارا مسلم معاشرہ ایک دن موت کے گھاٹ اتر سکتا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ وابستگی کے بعد آدمی اس قدر متعصب اور تنگ نظر ہو جاتا ہے کہ دوسروں کی دینی خدمت کو خدمت ہی نہیں سمجھتا۔ اپنے دائرہ کے علاوہ سارے دائروں سے کٹ کر اور اپنے علماء کے علاوہ سارے مذہبی خادموں کو پائے حقارت سے ٹھکرا کر وہ ایک بالکل الگ تھلگ معاشرہ کا آدمی بن جاتا ہے۔ کہنے دیا جائے کہ عام مسلمانوں کے مفادات سے بیگانہ کر کے کسی کو اپنا ذہنی غلام بنا لینا کوئی دین کی خدمت نہیں ہے۔ بلکہ دین اور اہل دین سے بدترین قسم کی علیحدگی پسندی اور منافرت کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔

ذہنی تعصب کا آزار

اسی جذبۂ مذموم کے زیر اثر تبلیغی جماعت کے لوگوں میں ذہنی تعصب اور تشدد آمیز علیحدگی پسندی کا رجحان جس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ صاحب موصوف بیان کرتے ہیں:

"جہاں بھی تبلیغی جماعت کا اقتدار ہے ائمہ و مدرسین کو مخالف قرار دے کر فوراً ان کو علیحدہ کر دیا جاتا ہے خواہ کیسی ہی تعلیمی صلاحیت رکھتا ہو۔ میں اس کی تفصیل بھی پیش کر سکتا ہوں مگر میرا مقصد جزئیات کو جمع کرنا نہیں بلکہ اس غلط ذہن کو اُجاگر کرنا ہے جو خاموشی کے ساتھ پرورش پا رہا ہے۔ میں اس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور دُوسروں کو اس سے بچانا چاہتا ہوں۔"

:- اصول دعوت و تبلیغ ص ۴۸ -

اس طرح کے خطرناک ذہنوں کا خاموشی کے ساتھ پرورش پانا امت مسلمہ کے مستقبل کیلئے جتنا مضرت رساں ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ کسی بھی ذہن کی یہ حالت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ علیحدگی پسندی کا جذبہ نقطۂ انتہا پر پہنچ جائے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے ساتھ جب تبلیغی جماعت والوں کی جارحانہ ذہنیت کا یہ حال ہے کہ ان کا وجود تک برداشت نہیں کر رہے ہیں تو عام مسلمانوں کے حق میں ان کے جماعتی تعصب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

جہالت کی دینی پیشوائی کا ماتم

تبلیغی جماعت کے متعلق مولوی عبدالرحیم شاہ کی تقریر کا یہ حصہ ایک جلے ہوئے انسان کی دردناک چیخ کا آئینہ ہے۔ لفظ لفظ سے دل کا اضطراب لہو کی بوند کی طرح ٹپک رہا ہے۔ تبلیغی جماعت کی گمرہی کا چڑھتا ہوا طوفان دیکھ کر موصوف تلملا اٹھے ہیں اور ساری مصلحت بالائے طاق رکھ کر فرماتے ہیں:

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جماعت کا یہ تجزیہ مجبوراً بادل ناخواستہ کر رہا ہوں اور دینی تقاضا و ضرورت سمجھ کر۔ کیونکہ جب ان نابالغ مقتداؤں (تبلیغی جماعت کے جاہل مبلّغین) نے خطاب عام شروع کر دیے جن کی شرعاً ان کو اجازت نہیں ہے اور انہوں نے اس کام کی افضلیت پر حد سے تجاوز کیا اور دوسرے دینی شعبوں کی کھلم کھلا تخفیف (تحقیر) شروع کر دی اور ذمہ داروں کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود اب تک ان کو نہیں روکا یا وہ رُکے نہیں تو ایسی صورت میں ذمہ داری کی بات ہے کہ حقیقت حال واضح کی جائے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے"۔ اصول دعوت و تبلیغ ص ۵۲۔

تقریر کا یہ حصہ بھی توجہ کے ساتھ پڑھنے کے قابل ہے:

"غور کا مقام ہے کہ کوئی شخص بغیر سند کے کمپوڈر تک نہیں ہو سکتا مگر لوگوں (تبلیغی جماعت والوں) نے دین کو اتنا آسان سمجھ لیا ہے کہ جس کا جی چاہے وعظ و تقریر کرنے کھڑا ہو جائے۔ کسی سند کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی موقع پر یہ مثال خوب صادق آتی ہے "نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم مُلّا خطرۂ ایمان"۔ ص ۴۵

مسلمانوں میں فتنے کے داخلے کے لیے یہ سب سے بڑا دروازہ ہے جسے تبلیغی جماعت نے کارِ ثواب سمجھ کر کھول دیا ہے۔ بظاہر یہ بات بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے کہ سب کو

تبلیغ کے کام میں لگ جانا چاہیے لیکن سنجیدگی کے ساتھ نتائج پر غور کیجئے تو یہ اقدام اتنا ہی خطرناک ہے جتنا خطرناک کہ کسی انجان آدمی کو ڈرائیور کی جگہ بٹھا دینا ہے۔ کوئی بھی دین کے ساتھ یہ مذاق اُسی حالت میں کر سکتا ہے جبکہ دین کی قدر و منزلت اس کے دل سے بالکل نکل جائے اور صرف اپنے لشکر کی تعداد بڑھانے کے لیے انجان آدمیوں کو وہ محاذِ جنگ پر بھیج دے۔

ہو سکتا ہے کوئی اس طرح کے اقدامات کو تحسین کی نظر سے دیکھے لیکن سردارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ۔ جب (دین کا) کام نااہلوں کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ دوسری حدیث میں دین کی ناقدری اور علم کے فقدان کی آخری حالت ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں: اذا لم یُبق عالماً اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُھَّالاً فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا۔ (متفق علیہ)

جب علم اٹھا لیا جائے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا مذہبی پیشوا بنا لیں گے۔ اُن سے مسئلہ پوچھیں گے وہ بغیر علم کے مسئلے کا جواب دیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وُہ خود بھی گمراہی کا شکار ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

تبلیغی جماعت اپنے جماعتی اقتدار کی ہوس میں ناخواندہ پیشواؤں کا جو دستہ تیار کر رہی ہے کیا عجب ہے کہ آگے چل کر انہی کے ذریعہ فرمانِ نبوی کی تصدیق ظہور میں آئے۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کا یہ اقدام علاماتِ قیامت ہی کی ایک ابتدائی کڑی ہے۔ قیامت جس طرح ایک ہولناک چیز ہے اس کی نشانیاں بھی کم خوفناک نہیں ہیں۔ امت میں ایک فتنہ کا دروازہ کھول دینا کوئی فخر کی بات نہیں ہے بلکہ ماتم کرنے کی جا ہے کہ فتنۂ قیامت کے ظہور کے لیے نوشتۂ قدرت نے تبلیغی جماعت ہی کو نامزد کیا ہے۔

نماز کی نخوت کا آزار

مولوی عبدالرحیم شاہ دیوبندی نے بڑی جرأت کے ساتھ تبلیغی جماعت والوں کی نماز کی نخوت کا جادو توڑا ہے۔

نماز کی عظمت وارجمندی دونوں جہان میں مسلم ہے۔ لیکن کسی نمازی کو عزازیلی غرور میں بدمست ہو کر بہکنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔ نماز کے نام پر تبلیغی جماعت کے لوگ مسلم

معاشرے میں جو نت نئے فتنے اٹھا رہے ہیں مولوی عبدالرحیم شاہ نے بڑے شائستہ پیرائے میں ان کی نشاندہی کی ہے۔ موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

"میرے دل میں اُن مسلمانوں کی بڑی قدر ہے جو محض دینی جذبہ اور اخلاص سے دین سیکھنے کے لیے نکلتے ہیں اور نمازی بن کر لوٹتے ہیں۔ لیکن اگر علماء و مدارس و خانقاہ و دیگر دینی شعبوں کی تخفیف (تحقیر کا جذبہ) ساتھ لے کر لوٹے تو میرے نزدیک ایسا تہجد گزار بھی بڑا مجرم ہوگا۔ ایسے بے نمازی کے مقابلے میں جو اُن سب کی عزت و احترام کرتا ہے اور اس کو گناہ کا احساس اور اس پر ندامت ہے۔

کیونکہ بے نمازی کی مضرت اس کی ذات تک ہے اور دوسرے کی مضرت متعدی ہے پوری نسل کو نقصان ہوگا"۔ ص ۴۵۔

کتنے پتے کی بات کہہ گئے ہیں شاہ صاحب! گہرائی میں اتر کر اگر کوئی سوچے تو شام و سحر تبلیغی جماعت کے آزار سے نجات حاصل کرنے کی دعا مانگے۔ بلکہ اس دعا میں ساری دنیا کے مسلمانوں کو شریک کرنے کے لیے بے چین ہو جائے۔ آخر اس صورتِ حال کو کون برداشت کر سکتا ہے کہ کسی ایک فرد کے نفع موہوم کے لیے بہت سارے مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ یقین نہ آئے تو قریب سے جھانک کر دیکھیے! تبلیغی جماعت نماز کے نام پر یہی کاروبار کر رہی ہے۔ ایک نمازی کے بھیس میں وہ ہزاروں مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد کے لیے ایک نئے قاتل کو جنم دیتی ہے۔

تبلیغی جماعت کی جد و جہد سے بظاہر مسجد میں ایک نمازی تو بڑھ جاتا ہے لیکن مسجد کے باہر کتنے مسلمانوں کا یقین و اعتقاد ذبح ہو جاتا ہے۔ اس کی تعداد اب تک قلم بند نہیں ہو سکی ہے۔ جب تک کوئی بے نمازی رہتا ہے اپنی ذات کے لیے مصیبت بنا رہتا ہے لیکن تبلیغی جماعت کے کیمپ سے واپس لوٹتے ہی جہاں اس نے دو سجدے ادا کیے کہ اب پورے معاشرہ کی مذہبی سلامتی کے لیے وہ ایک دردناک آزار بن جاتا ہے۔

کچھ اور زخموں کے نشانات

تبلیغی نخوت کے آزاد سے ملت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو رہا ہے اس کی تصویر کھینچتے ہوئے شاہ صاحب نے چند واقعات کی نشان دہی کی ہے۔ موصوف کی تقریر کا یہ حصہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے:

"اسی وجہ سے آج ہر جگہ انتشار و اختلاف پھوٹ پڑا ہے جس کا سب سے زیادہ مظاہرہ ہمارے علاقہ میوات میں ہو رہا ہے۔ اکرام مسلم کی اتنی مشق کے بعد بھی علماء کی آبروریزی انتہائی تعجب خیز بات ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ ذہنی اور عملی طور پر ایک جماعت سے منسلک ہو گئے ہیں۔

آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ فیروز پور جھرکہ میں ایک مولوی صاحب کو لاٹھیوں سے زخمی کر دیا گیا۔ اسی طرح استاذ الاساتذہ شیخ میوات حضرت مولانا عبد السبحان صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا عبد المنان صاحب کو سنگار میں گھیر لیا گیا کہ مارو یہ تبلیغ کے مخالف ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد واقعات ہو رہے ہیں۔ بیچارے عوام سیدھے سادھے وہ کیا جانیں کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟......... ان حالات کی وجہ سے انتہا تو یہ ہو گئی ہے کہ بہت سے پرانے مبلّغین علیحدہ ہو گئے یا علیحدہ کر دیے گئے۔

:- ص ۵۶۔

تبلیغی جماعت والوں کی فتنہ پرداز ذہنیت۔ نمائشی تقدس اور تبلیغی نخوت کی ایک تصویر اور ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف بیان کرتے ہیں:

"جو ان لوگوں کی بے اصولیوں اور بے ضابطہ تقریروں کی روک ٹوک کرتا ہے تو مرکز میں خواص و عوام میں اس کو تبلیغ کا مخالف مشہور کرتے ہیں اور اس کے لیے بالکل ایسے انداز اختیار کرتے ہیں جیسے رضا خانی وغیرہ۔

کوئی اُن سے یہ دریافت نہیں کرتا کہ بھائی یہ تو بتاؤ! کیا مخالفت کی ہے؟ بلکہ اس کی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر کوئی صحیح معلومات کرے تو حقیقت ذاتی رنجش نکلے گی اور انتقام لینے کے لیے اس کو

تبلیغ کا مخالف مشہور کر دیا۔

خیال کیجئے جو تحریک علماء اور عوام میں ربط پیدا کرنے کے لیے شروع کی گئی تھی وہی تحریک آج علماء و مدارس سے بُعد و دُوری کا سبب بنتی جا رہی ہے۔

کچھ عجیب سی بات ہے جو تبلیغی جماعت سے جتنا قریب ہوتا وہ اتنا ہی دُور سے علماء سے بعید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟

اور جس نے دو چار چلے دے دیے تو پھر اُس کی ترقیٔ درجات کے کیا کہنے، پھر تو وہ علماء کی بھی کوئی حقیقت اپنے سامنے نہیں سمجھتا"۔ ص ۵۰۔

یہ ہے وہ عزازیلی نخوت جس نے اس کی لاکھوں برس کی عبادت کا ناس لگا دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ تبلیغی جماعت اپنے نمازیوں میں اس طرح کی نخوت پیدا کر کے دین کی کوئی خدمت انجام دے رہی ہے۔ اس طرح کی تبلیغ سے کیا فائدہ جو اچھے خاصے آدمی کو شیطان کے پہلو میں بٹھا دے۔ لوگوں کو علماء اسلام کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے نفس کا غلام بنا لینا یہ بھی جاہ پرستی کی بدترین قسم ہے۔ جو لوگ اسے دین کی تبلیغ کہتے ہیں وُہ ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر مذہبی خسارہ کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا کہ علماء اور عوام کے درمیان بے اعتمادی کی دیوار کھڑی کر دی جائے۔ بلاشبہ یہ پیشہ ایمان کے رہزنوں کا ہے جسے اب تبلیغی جماعت نے اختیار کر لیا ہے۔

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

مولوی عبدالرحیم شاہ نے بہت تفصیل کے ساتھ اس امر پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ تبلیغی جماعت کی موجودہ تحریک کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ تبلیغی جماعت کے لوگ اپنے اجتماعات میں عام طور پر جو یہ کہا کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کی موجودہ تحریک انبیاءٔ وصحابہ کی سنت ہے تو یہ دعوٰی کہاں تک صحیح ہے؟ نیز احادیث کی کتابوں میں تبلیغ کے جو فضائل بیان کیے گئے ہیں تو کیا اُن تمام فضائل کی مصداق یہی تبلیغی جماعت ہے؟ اب

موصوف ہی کے الفاظ میں یہ دلچسپ بحث سُنیے ۔ فرماتے ہیں :

" اس سلسلے میں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ بہت سے حضرات نے فضائل تبلیغ پر کتابیں لکھی ہیں اور تعلیم میں اُنہی کو سنایا جاتا ہے ۔ اس سے بڑا مغالطہ ہو رہا ہے ۔ عام طور سے لوگ ان تمام فضائل کا مصداق اس تحریک کو سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ سخت ضرورت ہے کہ مؤلفین اس میں امتیاز پیدا کریں ۔ یہ بہت بڑی تلبیس ہے اور اگر اس تحریک کو واقعی اس درجہ میں سمجھتے ہیں کہ یہ سب سے افضل ہے اور یہ سنّت ہے تو اس پر قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل قائم فرمائیں اور جب یہ سنّت ثابت ہو جائے تو یہ بھی بتائیں کہ اوّل سے لے کر آج تک یہ سنّت متروک رہی ہے تو کیا سب علماء وصلحاء اور مجددین امّت کو ہم تارکین سنّت سمجھیں ؟

عجیب تضاد ہے ۔ کہیں تو اس کو سنّتِ نبوی قرار دیتے ہیں اور کہیں اس کا بانی و محرک حضرت مولانا الیاس نوراللہ مرقدہ کو قرار دیتے ہیں ۔" ہ ص ۵

وہ سوال جس کا کوئی جواب نہیں

اس بحث میں شاہ صاحب نے ایک نہایت بنیادی سوال اٹھایا ہے جسے طے کیے بغیر ہرگز آگے نہ بڑھیے ـــــ تبلیغی جماعت کے لوگ اپنے موجودہ طریقۂ تبلیغ کے متعلق ایک ہی سانس میں دو طرح کی متضاد باتیں کرتے ہیں ۔ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ یہ انبیاء اور صحابہ کی سنّت ہے اور دوسری طرف یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کے بانی مولانا الیاس ہیں ۔

شاہ صاحب نے ان متضاد دعووں پر پے بہ پے کئی سوالات کر ڈالے ہیں :

پہلا سوال تو یہ ہے کہ اگر واقعی یہ انبیاء اور صحابہ کی سنّت ہے تو اسلام کی مستند کتابوں سے ثابت کیا جائے کہ انبیاء اور صحابہ بھی مسلمانوں میں کلمہ و نماز کی تبلیغ کے لیے اسی طرح جماعتیں بنا بنا کر گشت کیا کرتے تھے ۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ واقعۃً یہ انبیاء اور صحابہ کی

سنت ہے تو اس مشکل کا بھی حل بتایا جائے کہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک یہ سنت جو متروک رہی ہے تو کیا تیرہ سو برس کے سارے پیشوایانِ امت کو ہم تارکینِ سنت قرار دے دیں:

تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے کہ موجودہ طریقۂ تبلیغ انبیاء و صحابہ کی سنت ہے تو پھر یہ دعویٰ سرتاسر غلط ہے کہ مولانا الیاس اس طریقۂ تبلیغ کے بانی ہیں۔ اور اگر یہ بات صحیح ہے کہ مولانا الیاس اس کے بانی ہیں تو پھر یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ یہ انبیاء و صحابہ کی سنت ہے۔ کیونکہ اگر انبیاء اور صحابہ کی یہ سنت ہے تو دراصل وہی اس طریقۂ تبلیغ کے بانی ہوئے۔ پھر مولانا الیاس کو بانی کہنا غلط ہے اور اگر مولانا الیاس اس کے بانی قرار دیے جاتے ہیں تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ یہ طریقۂ تبلیغ ان کے پہلے موجود نہیں تھا اور جب موجود ہی نہیں تھا تو پھر اسے اگلے زمانے کی سنت قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؛

شاہ صاحب کے یہ سوالات اتنے اہم اور بنیادی ہیں کہ انھیں کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ تبلیغی جماعت کے لوگ اگر کچھ بھی اپنے تئیں شرعی ذمہ داری محسوس کرتے ہوں تو ان کا اولین فریضہ ہے کہ وہ ان سوالات پر مسلمانوں کا ذہنی خلجان دور کریں اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو اپنے جھوٹے دعووں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دینے کی عادت سے باز آ جائیں۔

پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت پر بحث کا سلسلہ درمیان میں آ گیا ہے تو تصویر کا ایک اور رُخ ملاحظہ فرمائیے:

پچھلے اوراق میں مولوی احتشام الحسن صاحب کا نام آپ نے پڑھا ہوگا یہ مولانا الیاس کے برادرِ نسبتی اُن کے خلیفۂ اوّل اور اُن کے معتمدِ خصوصی ہیں۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک عمر کا طویل حصہ تبلیغی جماعت کی قیادت و رفاقت میں گزارا ہے۔ نجدی حکومت کے ساتھ تبلیغی جماعت کے معاہدہ کا سارا مرحلہ آپ ہی کا انجام دیا ہوا ہے —— اِن اہم خصوصیات کے ساتھ انھیں جان لینے کے بعد اب ایک زلزلہ خیز خبر سُنیے؛ کہ اسی کتاب

"اصولِ دعوت وتبلیغ" کے آخری ٹائیٹل پیج پر" انتظار کیجیے" کے عنوان سے ان کی ایک "بھانڈا پھوڑ" تحریر شائع ہوئی ہے۔ تحریر کیا ہے بیچ چوراہے تبلیغی جماعت کو انھوں نے ننگا کر دیا ہے۔ یہ تحریر انھوں نے اپنی ایک کتاب "زندگی کی صراطِ مستقیم" کے اخیر میں "ضروری انتباہ" کے نام سے شائع کی ہے۔

اب عالمِ حیرت میں ڈوب کر اُن کی تحریر کی ایک ایک سطر پڑھیے، لکھتے ہیں:

"نظام الدین کی موجودہ تبلیغ میرے علم وفہم کے مطابق نہ قرآن وحدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدّد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق ہے۔ جو علمائے کرام اس تبلیغ میں شریک ہیں اُن کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کام کو پہلے قرآن وحدیث، ائمۂ سلف اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق کریں۔

میری عقل وفہم سے بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا الیاس کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف "بدعتِ حسنہ" کی حیثیت رکھتا تھا اس کو اب انتہائی بے اصولیوں کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جا رہا ہے......... اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ میرا مقصد صرف اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے۔" (انتہیٰ)

ردِّ عمل

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ طلسم فریب کا یہ تماشا! جب پانی سر سے اُونچا ہو گیا، جب ایک گناہ پوری شدت کے ساتھ سارے بحر وبر میں پھیل گیا اور جب ایک فتنہ جوان ہو کر قیامت ڈھانے لگا تب کہا جا رہا ہے کہ نظام الدین کی موجودہ تبلیغ قرآن وحدیث کے موافق نہیں ہے۔

بتایا جائے کہ آج تک ساری دنیا کے مسلمانوں کو جو فریب دیا گیا ہے کہ یہ انبیاء کا طریقہ ہے، یہ صحابہ کی سُنّت ہے، یہ افضل ترین عبادت ہے۔ یہ دین کا اہم کام ہے، آخر اس عالمگیر گمراہی کا وبال کس کی گردن پر ہوگا؟ موجودہ حالات میں دینی ذمہ داری سے

سبکدوش ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ ان سارے مسلمانوں کو جنھیں دین کے نام پر تبلیغی جماعت میں شامل کیا گیا ہے، واپس نہیں بلا لیا جاتا۔

اور سب سے سنگین الزام تو یہ ہے کہ جب مولانا الیاس ہی کی زندگی میں یہ بات طے پا گئی تھی کہ تبلیغی جماعت کی موجودہ تحریک بدعتِ حسنہ ہے، سنّت نہیں ہے تو اتنے عرصہ تک مسلمانوں کو کیوں دھوکہ دیا گیا کہ یہ انبیاء کا طریقہ ہے، یہ صحابہ کی سنّت ہے۔ پس بتایا جائے کہ دنیا کے کئی لاکھ مسلمانوں کی اعتقادی گمراہی اور اس کے ہولناک نتائج کا ذمہ دار کون ہے؟

کہنے دیا جائے کہ کاندھلہ کے مولوی الیاس، مولوی محمد یوسف، مولوی احتشام الحسن سے لے کر لکھنؤ کے مولوی منظور نعمانی، مولوی ابوالحسن علی ندوی، بھوپال کے مولوی عمران، مولوی راغب اور کلکتہ کے مولوی ضیاء الدین اور حاجی غلام رسول تک، سب کے سب تبلیغی جماعت کے اس راز سے واقف تھے۔ لیکن ایک بدعت کو سنّت کا درجہ دے کر سب نے دیانت کا خون کیا، سب نے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکا اور سب نے دین کے ساتھ ایک شرمناک مذاق کیا۔

اب جبکہ ایک اعتقادی گمراہی دلوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تو کہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کی یہ تحریک سنّت نہیں "بدعت حسنہ" تھی۔ لیکن بُرا ہو فریب مسلسل کا کہ اب یہ "بدعت حسنہ" بھی نہیں رہی بلکہ "بدعت ضلالت" کے خانے میں چلی گئی۔ وہ بدعت ضلالت جس کے مرتکب کو حدیث میں جہنّم میں بشارت دی گئی ہے۔

معاذ اللہ! نفس کی تلبیس کا ذرا یہ عبرتناک تماشا تو دیکھیے کہ ایک ہی تبلیغی جماعت کبھی سنّت ہے، کبھی بدعت حسنہ ہے اور اب بدعت ضلالت ہے۔

بہرحال اب جبکہ خود ہی اقرار ہے کہ وہ بدعت ضلالت ہے تو اب دیوبند کے تیغ زن سپاہیوں کو حکم دیا جائے کہ وہ تبلیغی جماعت کے خلاف بھی اُسی جذبۂ ثواب کے ساتھ جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں جس جذبے کے ساتھ وہ اپنے تئیں مروّجہ بدعات میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے خلاف جہاد کرنے میں مصروف رہا کرتے ہیں۔

کیا اب بھی فرار کی گنجائش ہے؟

برنہ کہا جائے کہ یہ مولوی احتشام کی ذاتی رائے ہے، دلائل ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ کیونکہ اول تو وہ ایک عرصۂ دراز تک تبلیغی جماعت کے کرتا دھرتا رہ چکے ہیں بلکہ ایک طرح سے ان کی حیثیت بانیوں کی ہے۔ جماعت کے راز سے جتنے وہ واقف ہیں کوئی بھی اتنی واقفیت نہیں رکھتا۔ اس لیے ان کی یہ تحریر کسی طرح بھی بے وزن نہیں قرار دی جا سکتی نہ ذہنی طور پر وہ اپنے جماعتی مسلک و مشرب سے مرتد ہو گئے ہیں کہ ان کے اس اقدام کو دیوبندی جماعت کے خلاف کسی تخریبی سازش پر محمول کیا جائے اس لیے ماننا پڑے گا کہ جو کچھ بھی انہوں نے کہا ہے یہ خود ان کے ضمیر کی آواز ہے۔ اعتراف قصور اور عذر گناہ کے لیے خدا کی طرف سے جو وقت مقرر تھا جب وہ آ گیا تو دل کے پٹ خود بخود کھل گئے۔ اس لیے یہ الزام بھی قطعاً لغو ہے کہ اتنے دنوں تک وہ کیوں خاموش رہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ "چشمۂ آفتاب" کے نام سے ان کی اس تحریر کا جو جواب شائع کیا گیا ہے اُسے پڑھ لینے کے بعد تو پوری طرح اطمینان ہو جاتا ہے کہ مولوی احتشام الحسن صاحب کا موقف قطعاً صحیح اور حقیقت حال کے عین مطابق ہے۔ اپنے جواب میں مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث سہارن پور سے لے کر مولوی محمود حسن گنگوہی تک کسی نے بھی موصوف کے اس چیلنج کا جواب نہیں دیا ہے کہ نظام الدین کی موجودہ تبلیغ نہ قرآن و حدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق ہے۔

سب کا جواب غیر متعلق باتوں پر مشتمل ہے مولوی احتشام الحسن صاحب کے اٹھائے ہوئے اصل نکتے پر سب نے خاموشی اختیار کر لی ہے۔ "چشمۂ آفتاب" کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کرتا ہوں تاکہ جوابات کی علمی حیثیت کا آپ بھی براہِ راست اندازہ لگا سکیں۔ پہلے کتاب کے مرتب مولوی قمر الدین مظاہری کا یہ بیان پڑھیے۔ موصوف اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

" مولانا احتشام الحسن کاندھلوی (بقول خود) اس تحریک کے بانیوں میں ہیں۔

انھوں نے حال ہی میں تبلیغی جماعت پر سخت تنقید کرتے ہوئے اس کو گمراہی کی طرف دعوت دینے والی جماعت قرار دیا ہے۔

تعجب ہے مولانا کاندھلوی جو اس تحریک کے آغاز سے اب تک اس کے مؤید تھے بلکہ شروع میں ان کے قول کے مطابق اُن کے ہی مشوروں سے کام ہوتا تھا اور جو اصول وغیرہ وضع ہوئے گویا سب اُن ہی کے وضع کیے ہوئے تھے اب انہوں نے اس تحریک میں کونسا منکر (برائی) دیکھ لیا جو اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے ہیں"۔ :۔ چشمۂ آفتاب ص ۲ شائع کردہ مکتبہ نظام کانپور

اس بیان سے تبلیغی جماعت کے ساتھ مولوی احتشام الحسن صاحب کے خصوصی تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے اور اپنے حلقے میں ان کے قلم کا مقام اعتبار بھی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

اب مولوی محمود حسن صاحب گنگوہی کے جواب کے اقتباسات پڑھیے۔ موصوف مولوی احتشام الحسن کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں اب تک یہی سمجھتا رہا کہ خرابیٔ صحت کی وجہ سے آپ نے کاندھلہ مستقل قیام فرمایا اور نظام الدین کا قیام ترک کر دیا اور اسی وجہ سے تبلیغی کام میں حصّہ نہیں لے سکتے۔ مگر اس ضمیمہ (انتباہ والی تحریر) سے معلوم ہوا کہ حصّہ نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک یہ تبلیغ دینی کام نہیں ہے بلکہ مخرب دین ہے"۔ :۔ چشمۂ آفتاب ص ۷۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: آپ اس تبلیغ کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف فرما کر اس کو ملّت کی تباہی کا ذریعہ فرما رہے ہیں۔

یہاں تک تو مولوی احتشام الحسن صاحب کی بات نقل کی گئی ہے اب ان کی بات کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

"آپ نے واضح طور پر یہ نہیں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے کتنے عرصہ بعد یہ تبلیغ بدعت حسنہ سے خارج ہو کر بدعت ضلالت

اور ملت کی تباہی کا ذریعہ بن گئی تھی۔ کیا متصلا ہی ایسا ہوا؟" ص ٦۔

الزامات کی چٹانیں

سوال اس کا نہیں ہے کہ وہ کتنے دنوں کے بعد بدعت حسنہ سے بدعت ضلالت بن گئی۔ اصل سوال یہ ہے کہ مولوی الیاس کے زمانے میں وہ کیا تھی؟ بدعت حسنہ یا سنت؟ اگر بدعت حسنہ تھی تو اسے بدعت ضلالت میں تبدیل ہونے کے لیے منکرات کی شمولیت بہت کافی ہے وہ جب بھی شامل ہو جائیں ویر یا سویر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر اس صورت میں یہ الزام جوں کا توں باقی رہتا ہے کہ ایک بدعت کو سنت کہہ کر سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ کیوں دیا گیا؟

اور اگر وہ سنت تھی تو مدت دریافت کرنے کی غیر متعلق بحث میں پڑنے کی بجائے اسے سنت ہی ثابت کر دیا گیا ہوتا تو سارا جھگڑا یہیں ختم ہو جاتا۔ پس اس واضح ترین گریز سے قطعاً یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مولوی احتشام الحسن صاحب کے چیلنج کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے ؟

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ذرا استدلال کا وزن ملاحظہ فرمایئے گا:

"تعجب ہے کہ جس کام سے آپ کو گہرا تعلق تھا اور جس پر آپ نے محنت بھی کی تھی۔ اس کو خراب ہوتے اور اجڑتے ہوئے بیسیوں برس صبر و سکون سے کیسے دیکھتے رہے، اور کوئی تحریر اس کے خلاف شائع نہیں کی"۔ چشمۂ آفتاب ص ۷۔

برائی بہر حال برائی ہے۔ چاہے اس کے خلاف کوئی آواز اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ برائی سے چشم پوشی کرنے کا الزام البتہ اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس طریقۂ استدلال سے کسی برائی کو اچھائی نہیں ثابت کیا جا سکتا۔

تیسری جگہ لکھتے ہیں۔ جواب میں خوشامد کا عنصر اتنا نمایاں ہے کہ پہلی نظر میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

"آپ کی اس تحریر سے انشاء اللہ کام کرنے والوں کے بددل ہو جانے کا تو اندیشہ نہیں کیونکہ ان میں جو اہل علم ہیں وہ دلائل حقہ کی روشنی میں علیٰ وجہ

البصیرت کام کر رہے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ اندیشہ ضرور ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہ نے جس کام کی خاطر زندگی قربان کر دی اور اپنے زمانے کے اکابر عرفاء اہل سنت اہل علم حضرات سے اس کی صحت و حقانیت اور مقبولیت کو تسلیم کرا لیا اور اس کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سپرد فرمایا۔ اس کے متعلق جب یہ رائے قائم کی جائے کہ یہ دین کے نام پر ایک غلط چیز پھیل رہی ہے اور اس سے ملت تباہی و بربادی میں مبتلا ہو رہی ہے تو ان کی روح کو کتنا زبردست صدمہ پہنچے گا ۔۔۔۔ ؟"۔ :۔ چشمۂ آفتاب ص ۹۔

اس جواب کا ذرا یہ عبرت ناک گوشہ ملاحظہ فرمائیے گا۔ یہ نہیں فرماتے کہ جو کام انبیاء اور صحابہ کی سنت ہے اُسے دین وملت کے لیے تباہ کن قرار دینا خدا و رسول کی کتنی بڑی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ غیرت و خوف بھی دلاتے ہیں تو خدا و رسول کی آزردگی کا نہیں بلکہ مولانا الیاس کی آزردگی کا۔ یہیں کوئی اُلٹ کر اگر پوچھ لے تو کیا جواب دیں گے کہ جب آپ حضرات کے تئیں علم غیب، رسولِ خدا کے لیے بھی ثابت نہیں ہے تو مولانا الیاس کی روح کو کیونکر خبر ہو جائے گی کہ میری قائم کی ہوئی تحریک کو دین وملت کے لیے تباہ کن بتایا جا رہا ہے۔

اب مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث سہارنپور کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ لکھتے ہیں:

"میری رائے یہ ہے کہ عنایت الٰہی اس تحریک کی طرف متوجہ ہے۔ مبشرات (بشارتیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس جماعت کے متعلق تواتر سے نقل کیے جا رہے ہیں اور حضور کی طرف سے لوگوں کو اس میں شرکت کے واسطے ترغیبات و تاکیدات خوابوں میں کثرت سے کی جا رہی ہیں"۔ :۔ چشمۂ آفتاب ص ۱۲۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"کثرت سے حضور کا خوابوں میں حمایت کرنا جو اتنی کثرت سے سننے میں آرہی ہے کہ اس کا احصاء دشوار ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے امور ایسے ہیں جن کی بنا پر یہ ناکارہ مخالف کو خطرناک سمجھ رہا ہے"۔ :۔ ص ۱۳

اپنے حافظے پر ذرا سا زور دینے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے

از اوّل تا آخر

کہ تبلیغی جماعت والوں کا خواب ایک لطیفے سے کم نہیں ہے۔ تبلیغی جماعت کی ولادت بھی خواب ہی کے ذریعہ ہوئی تھی اور اس کی ولادت کا جواز پیدا کرنے کے لیے بھی اب خواب ہی کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ حیرت ہے کہ جس کام کو دین کا سب سے اہم قرار دیتے ہیں اس کے ثبوت میں نہ قرآن کی کوئی آیت اُن کے پاس ہے نہ سرکار کی کوئی حدیث۔ دلیل میں پیش کرنے کے لیے جو کچھ بھی ہے وہ چند گمنام لوگوں کے خواب ہیں۔ اور بس! ایا پھر یہ دھمکی دی ہے کہ اگر اُسے دین کا کام نہیں سمجھا گیا تو مولانا الیاس کی رُوح ناراض ہو جائے گی۔

ایک طرف علم و فضل کی جھوٹی شہرت کا یہ حال ہے کہ وُہ فسانۂ عجائب کی طرح سارے جہاں میں پھیل گئی ہے لیکن ذہن و فکر کے افلاس کا تماشہ دیکھیے کہ انھیں یہ تک معلوم نہیں کہ شریعت کا معیارِ استدلال کیا ہے۔ خواب اور دھمکیوں سے اگر دین کی کوئی بات ثابت ہو جاتی تو دس سال تک دینی درس گاہوں میں پاپڑ بیلنے کی ضرورت ہی کیا تھی؛ بہر حال ذہن کی تختی پر نوٹ کر لینے کے قابل چیز ہے کہ مولوی احتشام الحسن صاحب نے تبلیغی جماعت کے خلاف جن دو باتوں کا انکشاف کیا ہے ایک تو یہ کہ وُہ مولانا الیاس کے زمانے میں بدعت حسنہ تھی اور اب برائیوں کی شمولیت کی وجہ سے بدعت ضلالت بن گئی ہے۔ اور دُوسری یہ کہ موجودہ تبلیغی جماعت نہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور علمائے حق کے مسلک کے موافق، ان دو الزامات میں سے کسی الزام کا جواب نہ مولوی محمود حسن گنگوہی نے دیا ہے اور نہ مولوی محمد زکریا شیخ الحدیث نے۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں خود ان حضرات کا ذہن بھی قرآن و حدیث سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ صرف مذہبی جذبات کے بل پہ یہ لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو ایک غیر شرعی کام سے منسلک رکھنا چاہتے ہیں تا کہ جماعتی اقتدار کا حلقہ وسیع ہوتا رہے۔

ایک ضرب اور

تبلیغی جماعت کی مخالفت میں مولوی عبدالرحیم شاہ اور مولوی احتشام الحسن صاحب کی تحریروں کو ذاتی پرخاش پر محمول نہ کیا جائے کہ خود مولوی محمد زکریا صاحب نے اپنے خط میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے خلفاء اور اُن کے خاص مریدین بھی اب تبلیغی جماعت کو پسند نہیں کر رہے ہیں حالانکہ تبلیغی جماعت کے ساتھ تھانوی صاحب کا جو داخلی تعلق تھا وہ بتانے کی چیز نہیں ہے۔ اُسے سب جانتے ہیں۔ اس کے باوجود تھانوی صاحب کے خلفاء اور مریدین خاص کا تبلیغی جماعت سے برگشتہ ہو جانا بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ سب کے متعلق یہ کہہ کر نکل جانا آسان نہیں ہے کہ ان تمام لوگوں کو تبلیغی جماعت سے ذاتی پرخاش ہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ تبلیغی جماعت کی گمراہی اب سب نے محسوس کر لی ہے۔ مولوی محمد زکریا صاحب کے اُس خط کا یہ جملہ نوٹ کر لیجئے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"البتہ یہ تو میں بھی سُن رہا ہوں کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے بعض خلفاء اور خواص اس (تبلیغی جماعت) کو پسند نہیں فرماتے"۔ چشمۂ آفتاب ص۱۱

اتنے پے بہ پے الزامات کے بعد بھی اگر کوئی شخص تبلیغی جماعت سے خوش عقیدگی رکھتا ہے تو اس کے متعلق سوا اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی غیرت ایمانی مر چکی ہے اُسے اب خدا و رسول کی خوشنودی عزیز نہیں بلکہ تبلیغ کی راہ سے صرف اپنے اقتدار کی نمائش پسند ہے۔

درمیان میں یہ ایک نئی بحث چھڑ گئی تھی۔ اب پھر مولوی عبدالرحیم شاہ کی تقریر کی طرف پلٹیے۔ ابھی ان کی تقریر کے بہت سے اہم اجزا باقی رہ گئے ہیں۔

اقتدار کی ہوس کا شیطان

تبلیغی جماعت کے لوگ جب شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں تو عجز و اخلاص کی ایسی نمائش کرتے ہیں کہ آدمی شرم سے پانی پانی ہو جائے لیکن آہ! کسے معلوم ہے کہ چہروں کے میک اپ کے پیچھے نفسانیت و ہوس کے کیسے کیسے شیطان انگڑائی لیتے ہیں۔ مولوی عبدالرحیم شاہ نے

مرکزی امیر جماعت حضرت جی کے چہرے سے نقاب اُلٹ کر اُن کے دینی اخلاص کا سارا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔

لکھا ہے کہ فیروز پور جھرکہ علاقۂ میوات میں مدرسہ حافظ الاسلام کے نام سے ایک دینی مدرسہ تھا موصوف زبردستی اس کے سرپرست بن گئے اور اس مدرسہ پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے جھگڑے کو اتنا طول دیا کہ وہ مدرسہ ویران ہو گیا۔ اس طویل واقعہ پر شاہ صاحب کے بیان کا یہ دلچسپ حصّہ پڑھنے کے قابل ہے:

"اُدھر منتظمہ کمیٹی نے مولانا (انعام الحسن امیر جماعت) پر اس سرپرستی کے خلاف دعویٰ کر دیا ہے جس کی وجہ سے علاقہ میں خوب رسّہ کشی ہو رہی ہے اور اختلاف کی نئی نئی شاخیں نشو و نما ہو رہی ہیں۔ تقریباً ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے کہ مدرسہ بند پڑا ہے۔" ص ۶۰

یہ شرمناک حالات بیان کرنے کے بعد مولوی عبد الرحیم شاہ کہتے ہیں:

"اب آپ ہی حضرات سے دریافت کرتا ہوں کہ ایک طرف تو عاجزی و انکساری کی نمائش، دوسری طرف استغناء و برتری کا یہ عالم! آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس عاجزی میں کتنا اخلاص ہے۔" ص ۶۰

ملاحظہ فرمائیے! یہ ہے کردار اس جماعت کے سربراہ کا جو اپنے آپ کو رُوئے زمین کا فرشتہ سمجھتا ہے۔ ایک دینی درس گاہ ویران و برباد ہو سکتی ہے لیکن اقتدار کی مسند خالی نہیں کی جا سکتی۔ نفس کے شیطان کی یہ سرکشی بھی قابلِ دید ہے۔

ترکش کا آخری تیر تبلیغی جماعت کے اندران کھلے ہوئے شرعی نقائص اور گمراہ کن مفاسد کے باوجود بہت سے لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ مان لیا تبلیغی جماعت خراب ہی سہی لیکن کچھ تو دین کا کام کر رہی ہے۔ ویسے خرابیاں کہاں نہیں ہوتیں پر اچھائیوں کا بھی تو کچھ حق ہے! مولوی عبد الرحیم شاہ دیوبندی نے اس خوشنما فریب کا نہایت شاندار جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دوں۔ علمائے کرام کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ

چلو دین کا تھوڑا بہت کام ہو رہا ہے۔ ہوتا رہے۔ غلطیاں کہاں نہیں ہوتیں؛ میں سمجھتا ہوں کہ کچھ غور سے کام نہیں لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بے نمازی ہونا عملی قصور ہے اور علماء و مدارس کا استخفاف اور افضل کو غیر افضل یا غیر سنّت (بدعت) کو سنّت سمجھنا وغیرہ اعتقادی قصور ہے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ چند اعمال کی اصلاح کے پیشِ نظر عقائد میں قصور کو نظر انداز کر دینا کہاں تک شرعی نقطۂ نظر سے درست ہے؛ صحیح عقائد مدارِ نجات ہیں، اعمال مدارِ نجات نہیں۔"۔ ص ۶۴

قارئین کرام سے عرض کروں گا کہ زحمت نہ ہو تو خط کشیدہ سطروں کو پھر ایک بار پڑھیے اور ہو سکے تو بار بار پڑھیے۔

تقریر کا یہ حصہ پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ جیسے مولوی عبد الرحیم شاہ نے ہمارے منہ کی بات چھین لی ہے۔ سالہا سال سے ہم چیخ رہے ہیں کہ تبلیغی جماعت کی ظاہری خوشنمائیوں پر نہ جائیے عمل کی اصلاح کے نام پر عقیدہ خراب کرنے کی یہ ایک خاموش تحریک ہے۔ دل موہ لینے والے نعروں کے پیچھے شقاوت باطنی کا ایک خوفناک طوفان چھپا ہوا ہے۔ یقین و اعتقاد میں بگاڑ پیدا ہو جانے کے بعد کردار و عمل کی درستگی کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی صحت مند جسم سے رُوح نکال لی جائے۔

لیکن ماتم کیجیے حالات کی بدبختیوں کا کہ ہر بار ہماری چیخ کو بیجا حمایتوں کے شور میں دبا دیا گیا۔ اب جبکہ فتنہ سر پر چڑھ کے آواز دے رہا ہے تو مجبوراً ہماری ہی صدائے بازگشت کو مستعار لینا پڑا ہے۔ بہر حال اب بھی وقت نہیں گزرا ہے، سنبھلنے کے لیے عمر کا ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے۔ آج بھی اگر امّتِ محمّدی کی خیر خواہی کا جذبہ بیدار ہو جائے تو وقت کے ایک بہت بڑے فتنے کو موت کی نیند سُلایا جا سکتا ہے۔

حقیقت بے نقاب ہم کب سے کہتے آ رہے ہیں کہ تبلیغی جماعت کسی اصلاحی تحریک کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک نیا دین ہے جو دینِ محمّدی سے تصادم کے لیے ظہور میں آیا ہے لیکن یہ بات چونکہ ہمارے مُنہ سے نکلی تھی اس لیے اسے دُوسرا

رنگ دے دیا گیا مگر حقیقت کا انکار کہاں تک کیجئے گا کہ اب تو مولوی عبدالرحیم شاہ نے بھی مشاہیر دیوبند کے مجمع عام میں برملا اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ تبلیغی جماعت اب صرف کوئی اصلاحی تحریک نہیں ہے بلکہ آہستہ آہستہ وہ ایک نئے دین میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے لوگ اپنے مخالفین کو مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ کافر و مرتد یقین کرتے ہیں کیونکہ تبلیغی جماعت کے مرکز پر ایمان لانا اب اسلام کا چھٹا رکن بن گیا ہے۔

موصوف ہی کے الفاظ میں یہ وحشتناک خبر سنیئے۔ فرماتے ہیں:

"میں حیران ہوں۔ کیا کہوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پتہ نہیں کب سے تبلیغی جماعت کا مرکز بھی ایمانیات میں داخل ہو گیا ہے اور اس کا مخالف کافر قرار پایا ہے۔"

؛۔ ص ۶۱

اگر تبلیغی جماعت کا دین بھی وہی دین ہے جسے پیغمبر آخر الزماں لے کر مبعوث ہوئے تھے تو بتایا جائے کہ دین محمدی میں اس چھٹے رکن پر ایمان لانے کی شرط کہاں ہے؟

میوات میں کافرگری

اسی بحث کے ضمن میں مولوی عبدالرحیم شاہ دیوبندی نے اپنی تقریر میں صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ میوات جو تبلیغی جماعت کا مفتوحہ علاقہ ہے وہاں اب کلمہ و نماز کی تبلیغ کے بجائے کافرگری کی تبلیغ خوب زور شور سے ہو رہی ہے۔ تبلیغی جماعت کے مخالفین کو وہاں عام طور پر کافر و مرتد سمجھا جاتا ہے۔ میوات کے پرانے اور پختہ کار مبلغین ہر آبادی میں اسی طرح کا ذہن ڈھال رہے ہیں مولوی عبدالرحیم شاہ کی یہ ہولناک خبر انہی کے الفاظ میں پڑھیے۔ فرماتے ہیں:

"ہمارے میوات والے ماشاء اللہ عرب و عجم میں مسلمان بناتے بناتے اکتا گئے۔ جی بھر گیا۔ اس لیے میوات کے بعض سرگرم مبلغین و علمائے مسلمانوں کو کافر و مرتد بنانا شروع کر دیا ہے"۔ ص ۶۱۔

غور فرمائیے! مولوی عبدالرحیم شاہ کتنے پتے کی بات کہہ گئے۔ تبلیغی جماعت والے اگر عرب و عجم کے مسلمانوں کو مسلمان ہی سمجھتے تو انہیں از سر نو کلمہ پڑھا پڑھا کر مسلمان ہی کیوں بناتے — کلمہ تو وہ اسی لیے پڑھاتے ہیں کہ انھیں مسلمان نہیں سمجھتے۔ اب دوسرے

رُخ سے یہی مہم وہ میوات میں چلا رہے ہیں۔

کتاب کے مرتب مولوی نور محمد چندینی نے بھی کتاب کے حاشیے پر میوات کی تبلیغی جماعت کے کارکنوں کا یہ حال لکھا ہے:

"اگر ذرا بھی طاقت حاصل ہو جائے اور جو مرکز نہ آئے تو اسے تو بالکل مرتد کے درجہ میں سمجھتے ہیں"۔ نور محمد چندینی ص ۶۰۔

مولوی عبدالرحیم شاہ کے چند خطوط

کتاب "اصول دعوت و تبلیغ" پر تبصرہ ختم ہو گیا۔ مگر ایک دلچسپ کہانی سنانے کیلیے میں آپ کے قیمتی لمحات کا کچھ حصہ اور لوں گا۔ "چشمۂ آفتاب" نام کے جس رسالہ کا اوپر حوالہ گزر چکا ہے اس کے متعلق کتاب "اصول دعوت و تبلیغ" کے آخری ٹائیٹل پر مولوی نور محمد چندینی نے ایک اعلان شائع کیا ہے کہ اس رسالہ کا جواب مولوی عبدالرحیم شاہ لکھ رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں مولوی عبدالرحیم شاہ کو بارہ ٹوٹلی دہلی کے پتے پر ایک خط لکھا کہ جواب شائع ہو گیا ہو تو ایک نسخہ بھیج دیجیے۔ اپنے خط میں ان کی مطبوعہ تقریر کے متعلق بھی میں نے تحسین کے چند کلمات لکھ دیئے تھے۔ موصوف نے میرے خط کا جو جواب دیا تھا اس کی حرف بحرف نقل یہ ہے:

"چشمۂ آفتاب کا جواب ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں ایک ماہ اور لگ جائے۔ باقی آپ نے بڑی ہوشیاری سے ایک دو لفظ لکھ کر کتاب "اصولِ دعوت و تبلیغ" کی تعریف فرمائی ہے۔ اس کا شکر گزار ہوں۔ مگر اتنا کافی نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ اس پر سیر حاصل تبصرہ فرمائیں اور ماہنامہ میں شائع بھی کریں"۔

احقر عبدالرحیم ۷۔ فروری ۶۹ء

بارہ ٹوٹی صدر بازار دہلی ۶

اس خط کے بعد مولوی عبدالرحیم شاہ کی کتاب "اصول دعوت و تبلیغ" پر میں نے جامِ نور کے شمارہ بابت فروری ۶۹ء میں ایک مبسوط تبصرہ شائع کیا تھا اب اسے حسنِ اتفاق ہی کہیے کہ جس کا بیشتر حصہ اس باب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ احمد آباد کے قاری محمد اسمٰعیل

صاحب ٹنکاروی کے ذریعہ انھیں کسی طرح اس تبصرہ کی اطلاع ہوگئی۔ اس لیے انھوں نے دوسرا خط مجھے لکھا، جس کی نقل درج ذیل ہے:

"مجھے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ٹنکاروی احمد آباد کے خط سے معلوم ہوا کہ فروری ۶۹ء کے آپ کے پرچہ میں میری کتاب "اصول دعوت و تبلیغ" پر کوئی تبصرہ شائع ہوا ہے۔ میں خواہش مند ہوں کہ آپ برائے کرم فوراً بذریعہ پوسٹ پرچہ روانہ فرمائیں۔"

احقر عبدالرحیم شاہ دہلوی

فردِ جرم کی توثیق موصوف کا خط پاکر میں نے جام نور کا وہ شمارہ انھیں بھیج دیا۔ موصوف کو وہ تبصرہ اتنا پسند آیا کہ انھوں نے اپنے بہت سارے احباب میں اس کی تشہیر کرائی۔ ان کے محب خاص مولوی محمد حارث صاحب دہلوی کے اُس خط سے تبلیغی جماعت کے باغی حلقوں میں جامِ نور کے تبصرہ کی پسندیدگی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو موصوف نے مجھے تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"جناب کا تبصرۂ اصول دعوت و تبلیغ، پر ماشاءاللہ بہت اچھا ہے۔ میری نظروں سے گزرا پڑھ کر بہت خوشی ہُوئی۔ اللہ رب العزت جزائے خیر نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ جناب حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ صاحب نے دکھایا تھا، واپس کر دیا گیا۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ ماہ مارچ و اپریل کے دونوں رسالے روانہ فرمادیں جو قیمت ہوگی بذریعہ منی آرڈر روانہ کردی جائے گی۔"

احقر محمد حارث دہلوی ۴۲ر اپریل ۶۹ء
خطیب مسجد املی والی محلہ تہور خاں دہلی ۶

تبلیغی جماعت کے پُرانے کارکنوں کے خطوط کی نقلیں اس لیے ہم نے پیش کی ہیں تاکہ بغیر کسی تردّد کے آپ یہ فیصلہ کرسکیں کہ تبلیغی جماعت پر ہماری یہ تنقیدیں حق بجانب ہیں اور تبلیغی جماعت کے خلاف تاؤلی نگر کے اجتماع کی کارروائیوں کا جو ردّ عمل میرے ذہن پر ہوا ہے وُہ واقعہ کے عین مطابق ہے۔ اس لیے میری نیت کے اخلاص اور میرے ضمیر کی

دیانت پر شبہ کرنے کے لیے اب کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔

آخری تلقین مضمون کے خاتمے پر انصاف پسند قارئین سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعتوں کی دینی شقاوتوں کو بے نقاب کرنے والے جتنے حوالے میں نے اس باب میں درج کیے ہیں وہ ہمارے نہیں ہیں بلکہ دیوبندی فرقے کے ذمہ دار علماء اور تبلیغی جماعت کے پرانے کارکنوں کے ہیں اس لیے تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ سارے الزامات بالکل حقیقت پر مبنی ہیں، لہٰذا اس تاویل کے لیے اب کوئی گنجائش باقی نہیں ہے کہ ہم نے کسی غلط جذبے میں صرف تبلیغی جماعت کو بدنام کرنے کے لیے یہ الزامات تراشے ہیں۔

اخیر میں نہایت سنجیدگی کے ساتھ مجھے کہنے دیجیے کہ کسی بھی مذہبی جماعت کے ساتھ ہمارا تعلق صرف دینی مفاد اور اخروی سعادت کے جذبے پر مبنی ہوتا ہے۔ بے خبری کی حالت میں جس مسلمان کا بھی تبلیغی جماعت کے ساتھ اب تک کوئی تعلق رہا ہے ہم اسے بھی نیک نیتی ہی پر محمول کریں گے۔ لیکن مشاہیر دیوبند اور تبلیغی جماعت کے پرانے کارکنوں کی زبانی ان سنسنی خیز انکشافات کے بعد کیا کوئی سچا مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی اب تبلیغی جماعت کو برداشت کر سکے گا؟ جو جماعت فریب کی راہ دین حق کا چہرہ مسخ کرنے اٹھی ہو اس میں ایک حق پرست مسلمانوں کی شمولیت اب گنجائش کہاں ہے؟

اس لیے ہند و پاک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تمام صحیح الاعتقاد دوستوں کو میں مشورہ دوں گا کہ وہ میرے اس مضمون کے اقتباسات کی روشنی میں ہر جگہ کی تبلیغی جماعت کے جو شرمناک حالات منظر عام پر آئے ہیں یا تو وہ ان کی تشفی بخش صفائی پیش کریں یا پھر کفر و ضلالت کی تبلیغ کی یہ دکان بند کر دیں۔ اس کے علاوہ اخلاقی طور پر کوئی تیسری راہ اُن کے لیے کھلی ہوئی نہیں ہے۔

اتنی تفصیلات کے بعد بھی تبلیغی جماعت کی مذہبی گمراہیوں کو محسوس کرنے کے لیے ذہن کا کوئی گوشہ تشنہ رہ گیا ہو تو آٹھویں باب کا مطالعہ کیجیے۔

باب

تبلیغی جماعت احادیث کی روشنی میں

پچھلے صفحات میں تبلیغی جماعت کے متعلق جتنی تفصیلات سپردِ قلم کی جا چکی ہیں وہ اس بات کا یقین دلانے کے لیے بہت کافی ہیں کہ خیر کے نام پر دین میں فساد پھیلانا اور سادہ لوح مسلمانوں کا عقیدہ خراب کرنا تبلیغی جماعت کی ساری سرگرمیوں کا اصل مدعا ہے۔

لیکن تھوڑی دیر کے لیے واقعات و تجربات کی ان شہادتوں سے الگ ہٹ کر آپ حقیقت حال کا ایک اور رُخ ملاحظہ فرمائیں تو حیران و ششدر رہ جائیں گے۔ گزشتہ اوراق میں نجد کے وہابی فرقے کے ساتھ تبلیغی جماعت کے روحانی اور مذہبی ارتباط اور فکر و اعتقاد کی یکسانیت کا حال آپ نے پڑھ لیا اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ جن کتابوں سے نجدی مذہب کے ساتھ تبلیغی جماعت کا ذہنی اور فکری تعلق ثابت کیا گیا ہے وہ خود تبلیغی جماعت ہی کی معتمد کتابیں ہیں اس لیے ایک حقیقت واقعہ کو اب غلط الزام کہہ کر چھپایا نہیں جا سکتا۔

اتنی بات ذہن نشین کر لینے کے بعد اب محوِ حیرت ہو کر یہ خبر پڑھیے کہ حضور اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے سامنے قیامت تک برپا ہونے والے جن مذہبی فتنوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں نجد کا یہ "فتنہ وہابیت" خاص طور پر نمایاں ہے۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ائمۂ فتن کے متعلق سرکار کی یہ حدیث نقل فرماتے ہیں:

واللہ ما ترك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قائد فتنۃٍ الی ان تنقضی الدنیا یبلغ من معہ ثلثۃ مائۃٍ فصاعداً الا قد	خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی ایسے شخص کا ذکر نہیں چھوڑا جو آج سے قیامت تک کسی فتنے کا بانی ہوگا جس کے ساتھیوں کی تعداد تین سو یا

سماه لنا باسمه و اسم قبیلة۔

(ابوداؤد شریف)

اس سے زاید ہوگی۔ یہاں تک کہ حضور نے اس کا نام اور اس کے قبیلے تک کا نام ہیں بتا دیا۔

اب اس حقیقت کے پس منظر میں نجدی گروہ اور اس کے تعلق سے تبلیغی جماعت کی بابت احادیث میں جو نشان دہی کی گئی ہے ذیل میں اس کی حیرت انگیز تفصیلات ملاحظہ فرمائیے:

پہلی حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کیلئے دُعا فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ فی نجدنا قال اللھم بارك لنا فی شامنا اللھم بارك لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا فَاَظُنُّہٗ قال فی الثالثۃ ھناك الزلازل و الفتن و بھا یطلع قرن الشیطن۔

(بخاری)

خداوندا! ہمارے لیے ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل فرما (دعا کرتے وقت نجد کے کچھ لوگ بھی بیٹھے ہُوئے تھے) انہوں نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں یا رسول اللہ۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا خداوندا ہمارے لیے شام اور یمن میں برکت نازل فرما۔ پھر دوبارہ نجد کے لوگوں نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں یا رسول اللہ! راوی کا بیان ہے کہ تیسری مرتبہ میں حضور نے فرمایا کہ وہ زلزلوں اور فتنوں کی جگہ ہے اور وہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔

عام طور پر "قرن الشیطان" کا ترجمہ "شیطان کی سینگ کیا جاتا ہے لیکن دیوبند کے مصباح اللغات میں اس کا ایک ترجمہ "شیطان کی راٹے کا پابند" بھی کیا گیا ہے۔ (ص ٦٦٣) بہر حال اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ نجد خیر و برکت کی جگہ نہیں بلکہ فتنہ و شر کی جگہ ہے۔ کیونکہ رحمۃ للعٰلمین کی دُعائے خیر سے محروم ہو جانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہمیشہ کیلئے

اس خطے پر شقاوت و بدبختی کی مہر لگ گئی۔ اب وہاں سے کسی خیر کی توقع رکھنا تقدیر الٰہی سے جنگ کرنا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہاں کی خاک سے کوئی ایسا شخص ضرور اُٹھے گا جو شیطان کی رائے کا پابند ہوگا یا جس طرح سورج کی پھیل جانے والی پہلی کرن کو "قرن الشمس" کہتے ہیں۔ اسی طرح شیطان کا فتنہ بھی وہاں سے سارے جہاں میں پھیل جائے گا۔

اشارۂ محسوس نجد و حجاز کا اٹلس (جغرافیائی نقشہ) سامنے رکھئے تو آپ کو واضح طور پر نظر آئے گا کہ نجد کا علاقہ مدینہ منورہ کے بالکل مشرقی سمت پر واقع ہے۔ مدینے سے سرکارِ مدینہ نے جن الفاظ میں اس سمت کی طرف اشارے کیے ہیں وہ ایک وفادار مومن کو چونکا دینے کے لیے کافی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نگاہِ رسالت پناہ میں نجد کا فتنہ امت کے لیے کس درجہ ہولناک اور ایمان شکن تھا۔ اب اس عنوان پر ذیل میں حدیثوں کی قطار ملاحظہ فرمائیے۔

دوسری حدیث صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث نقل کی گئی ہے:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قام عند باب حفصة فقال بیده نحو المشرق الفتنة ھاھنا من حیث یطلع قرن الشیطٰن مرتین او ثلاثا۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۴)

بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت حفصہ کے دروازے پر کھڑے تھے وہاں سے مشرق کی طرف اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ فتنہ کی جگہ یہ ہے، یہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔ راوی کو شک ہے کہ یہ الفاظ حضور نے دو بار کہے یا تین بار۔

تیسری حدیث یہی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے پھر مسلم شریف میں ہے:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال و هو مستقبل المشرق ان الفتنة ھاھنا ان الفتنة ھاھنا ان الفتنة ھاھنا من حیث یطلع قرن الشیطن۔

(مسلم شریف)

بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ فتنہ یہاں سے اُٹھے گا، فتنہ یہاں سے اٹھے گا، فتنہ یہاں سے اٹھے گا جہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔

چوتھی حدیث پھر انہی حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مسلم شریف میں تیسری روایت نقل کی گئی ہے:

خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم من بیت عائشة فقال رأس الکفر من ھاھنا من حیث یطلع قرن الشیطن یعنی المشرق۔

(مسلم شریف)

بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حرم سرا سے باہر تشریف لائے اور مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کفر کا مرکز یہاں ہے جہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔

غور فرمائیے! ان تینوں حدیثوں میں صرف مشرق کی سمت ہی کا ذکر نہیں ہے کہ اس سے نجد کا خطہ مراد لینے میں کسی اور احتمال کی گنجائش نکل آئے بلکہ اس کے ساتھ ہر جگہ من حیث یطلع قرن الشیطان (جہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی) کا اضافہ واضح طور پر بتا رہا ہے کہ مشرق کی سمت سے کوئی دوسرا علاقہ نہیں بلکہ خاص نجد مراد ہے۔ کیونکہ بخاری شریف کی حدیث میں نجد کے نام کے ساتھ یہ وصف ذکر کیا گیا ہے اس لیے حدیث کی زبان میں مشرقی سمت کا وہ خطہ جہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی نجد کے سوا اور کوئی دوسرا خطہ نہیں ہو سکتا۔

پانچویں حدیث سیدی علامہ دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الدرر السنیہ میں کتب صحاح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے:

يخرج ناس من قبل المشرق يقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية لا يعودون فيه حتّٰى يعود السهم الٰى فوقه سيماهم التحليق۔

(الدرر السنیہ ص ۴۹)

کچھ لوگ مشرق کی سمت سے ظاہر ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پھر وہ دین میں پلٹ کر نہیں آئیں گے یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے۔ ان کی خاص علامت "سر منڈانا" ہوگی۔

چھٹی حدیث یہی علامہ دحلان رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث بھی کتب صحاح سے اپنی کتاب مذکور میں تخریج فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يخرج ناس من المشرق يقرؤن القرآن لا يجاوز تراقيهم كلما قطعي قرنٌ نشاء قرنٌ حتى يكون اٰخرهم مع المسيح الدجال۔

(ص ۵۰)

کچھ لوگ مشرق کی سمت سے ظاہر ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ان کا ایک گروہ ختم ہو جائے گا تو وہیں سے دوسرا گروہ جنم لے گا یہاں تک کہ ان کا آخری دستہ دجال کے ساتھ اُٹھے گا۔

ایک اور سراغ دیارِ نجد میں بنو حنیفہ کا قبیلہ وہی بدقسمت قبیلہ ہے جہاں سے شیطان کی سینگ طلوع ہوئی اور جس کی خاک سے زلزلوں اور فتنوں نے جنم لیا۔ جیسا کہ مولوی مسعود عالم ندوی "محمد ابن عبدالوہاب" نامی کتاب میں حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"(نجد کا) جنوبی حصّہ جو العارض کہلاتا ہے اس کا مشہور شہر ریاض ہے جو آج سعودی حکومت کا پایۂ تخت ہے۔ عارض کو جبل یمامہ بھی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ ایک پہاڑی کا نام ہے اور اس کے گرد و نواح کی زمین وادی حنیفہ اور

یمامہ کہلاتی ہے شیخ الاسلام (محمد ابن عبد الوہاب) کی جائے پیدائش "عُیینہ" اور موت کا مرکز "درعیہ" دونوں اسی وادی میں واقع ہیں:۔

حاشیہ کتاب محمد ابن عبد الوہاب ص ۱۶۔

اب تاریخ کی ایک کڑی ملاحظہ فرمائیے کہ یہ دل آزار قبیلہ شروع ہی سے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اذیت اور طبعی کراہت کا موجب رہا ہے۔ احادیث میں اس قبیلے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ساتویں حدیث

علامہ دحلان نے اپنی کتاب میں کتب صحاح سے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

کنت لی مبدا الرسالۃ اعرض	کہ رسالت کے ابتدائی ایام میں ہر موسم
نفسی علی القبائل فی کل	حج پر باہر سے آنے والے قبائل کے
موسم و لم یجیبنی احد	سامنے میں اپنی دعوت پیش کیا کرتا تھا
جواباً اقبح و لا اخبث من	بنو حنیفہ کے جواب سے زیادہ قبیح اور
ردبنی حنیفۃ۔ (الدرر السنیہ ص۵۲)	ناپاک جواب مجھے کسی نے نہیں دیا۔

اسی کے ساتھ علامہ دحلان مکّی کی تخریج کردہ ایک روایت اور پڑھ لیجئے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اس میں بنو حنیفہ کی وادی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

ان وادیھم وادی فتن الی آخر	اُس قبیلے کی وادی سے آخری زمانے
الدھر و لا یزال فی فتنۃ من	تک فتنے اٹھتے رہیں گے اور وہ وادی
کذابھم الی یوم القیٰمۃ و	اپنے جھوٹے پیشواؤں کی بدولت قیامت
فی روایۃ ویل للیمامۃ ویل	تک فتنوں سے معمور رہے گی۔ اور ایک
لا فراق لہ۔	روایت میں ہے ہلاکت ہو یمامہ کے لیے
(الدرر ص ۵۲)	ایسی ہلاکت جو کبھی نہ ختم ہو سکے۔

نوٹ: واضح رہے کہ مسعود عالم صاحب ندوی کی تصریح کے مطابق وادی حنیفہ کا دوسرا نام یمامہ بھی ہے۔

آٹھویں حدیث جامع ترمذی میں حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

قال مامات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ہو یکرہ ثلاثۃ احیاء ثقیف بنی حنیفۃ و بنی امیہ۔ (ترمذی)

انھوں نے بیان کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تین قبیلوں کو تاحیات ناپسند فرماتے رہے۔ ایک ثقیف، دوسرا بنی حنیفہ، تیسرا بنی امیہ۔

پہلی حدیث سے لے کر آٹھویں حدیث تک، یہ تمام حدیثیں نجد کے فتنے کو مختلف زاویوں سے سمجھنے اور بارگاہِ رسالت میں اُس خطّے کے مقہور ہونے کی جہت کو واضح کرنے کے لیے بہت کافی ہیں۔ اب ذیل کی حدیثوں میں اس فتنے کے علمبرداروں کا حال اور خد و خال پڑھیے۔

نویں حدیث مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقسم قسما اتاہ ذوالخُوَیصَرہ وھو رجل من بنی تمیم فقال یا رسول اللہ اعدل فقال ویلک فمن یعدل اذ لم اعدل قد خبت وخسرت ان لم اکن اعدل فقال عمر ائذن لی اضرب عنقہ فقال دعہ فان لہ اصحابا یحقرُ احدکم صلواتہ مع صلواتھم و صیامہ مع صیامھم یقرؤن

وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضور انور کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلۂ بنی تمیم کا رہنے والا تھا، آیا اور کہا اے اللہ کے رسول انصاف سے کام لو۔ حضور نے فرمایا: افسوس تیری جسارت پر، میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرنے والا ہے۔ اگر میں انصاف نہ کرتا تو خائب و خاسر ہوچکا ہوتا۔ حضرت عمر سے جب نہیں رہاگیا تو تو خائب و خاسر ہوچکا ہوتا۔ حضرت عمر سے جب نہیں رہا گیا تو انھوں نے

القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمیہ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۳۵)

عرض کیا حضور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ حضور نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ یہ اکیلا نہیں ہے، اس کے بہت سے ساتھی ہیں جن کی نمازوں اور جن کے روزوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھوگے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا ان ساری ظاہر خوبیوں کے باوجود وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

دسویں حدیث

یہی واقعہ دوسرے سلسلۂ روایت سے بھی مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

اقبل رجل غائر العینین ناتی الجبھۃ کث اللحیۃ مشرف الوجنتین محلوق الراس فقال یا محمد اتق اللہ فقال فمن یطع اللہ اذا عصیتہ فیامننی اللہ علیٰ اھل الارض ولا تامنونی فیسئل قتلہ فمنعہ فلما ولّٰی قال ان من ضئضئ ھذا قوما یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الاسلام مروق السھم من

ایک ایسا شخص آیا جس کی گہری آنکھیں کھڑا ماتھا۔ کھچڑی داڑھی۔ ڈھلکی ہوئی گالیں اور مونڈھا ہوا سر کہنے لگا اے محمدؐ اللہ سے ڈرو حضور نے فرمایا میں ہی نافرمان ہو جاؤں گا تو اللہ کی فرمانبرداری کون کریگا۔ اللہ نے تو مجھے زمین والوں پر امین بنایا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھتے۔ اسی درمیان میں ایک صحابی نے اس کے قتل کی اجازت چاہی حضور نے انہیں روک دیا جب وہ شخص چلا گیا تو فرمایا کہ اسکی نسل سے ایک جماعت پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُتریگا

الرمية فيقتلون اهل الاسلام و يدعون اهل الاوثان لان ادركتهم لاقتلنهم قتل عادٍ ۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۳۵)

وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے ۔ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے ۔ اگر میں انہیں پاتا تو قوم عاد کی طرح ان کے ساتھ قتال کرتا ۔

گیارھویں حدیث

یہی واقعہ حضرت شریک ابن شہاب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے اس میں انھوں نے اس گستاخ شخص کے متعلق سرکار رسالتمآب کا یہ ارشاد نقل کیا ہے؛

ثم قال يخرج فی اخر الزمان قوم كان هذا منهم يقرؤن القران لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الاسلام كما يمرق السهم من الرمية سيماهم التحليق لا يزالون يخرجون حتى يخرج اخرهم مع المسيح الدجال فاذا لقيتموهم هم شر الخلق والخليقة ۔

(مشکوٰۃ ص ۳۰۹)

پھر حضور نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک گروہ نکلے گا گویا یہ شخص اسی گروہ کا ایک فرد ہے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے ان کی خاص پہچان "سر منڈانا" ہے وہ ہمیشہ گروہ در گروہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری دستہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا جب تم ان سے ملو گے تو انھیں اپنی طبیعت و سرشت کے لحاظ سے بدترین پاؤ گے ۔

بارھویں حدیث

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے؛

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال سيكون في امتي

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں اختلاف و تفریق

اختلاف و فریقة قوم یحسنون القیل ولیسیئون الفعل یقرؤن القراٰن لا یجاوز تراقیهم یمرقون من الدین مروق السهم من الرمیه لا یرجعون حتی یرتد السهم علیٰ فوقه هم شر الخلق والخلیقة طوبیٰ لمن قتلهم وقتلوه یدعون الیٰ کتاب الله ولیسوا منا فی شئ من قاتلهم کان اولیٰ بالله منهم قالوا یارسول الله ما سیماهم قال التحلیق۔

(مشکوٰۃ ص ۳۰۸)

کا واقع ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ پس اس سلسلے میں ایک گروہ نکلے گا جس کی باتیں بظاہر دلفریب و خوشنما ہوں گی لیکن کردار گمراہ کن اور خراب ہوگا۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر دین کی طرف واپس لوٹنا انھیں نصیب نہ ہوگا یہاں تک کہ تیر اپنے کمان کی طرف لوٹ آئے۔ وہ اپنی طبیعت و سرشت کے لحاظ سے بدترین مخلوق ہوں گے۔ وہ لوگوں کو قرآن اور دین کی طرف بلائیں گے حالانکہ دین سے ان کا کچھ بھی تعلق نہ ہوگا جو ان سے قتال کرے گا وہ خدا کا مقرب ترین بندہ ہوگا۔ صحابہ نے فرمایا ان کی خاص پہچان کیا ہوگی یارسول اللہ۔ فرمایا سر منڈانا۔

تیرھویں حدیث

اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حدیث کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ قسم خدا کی آسمان سے زمین پر گر پڑنا میرے لیے آسان ہے لیکن حضور کی طرف سے کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے بعد اصل حدیث کا سلسلہ یوں شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

انی سمعت رسول الله صلی

میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

الله علیه وسلم یقول سیخرج قوم فی اٰخر الزمان حُدّاث الاسنان سفهاء الاحلام یقولون من خیر قول البریة لا یجاوز ایمانهم حناجرهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیه فاینما لقیتموهم فاقتلوهم فان فی قتلهم اجرًا لمن قتلهم یوم القیمٰة۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۲۴)

فرماتے ہوئے سُنا کہ آخر زمانے میں نوعمر اور کم سمجھ لوگوں کی ایک جماعت نکلے گی۔ باتیں وہ بظاہر اچھی کہیں گے لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ پس تم انھیں جہاں پانا قتل کر دینا کہ قیامت کے دن ان کے قاتل کے لیے بڑا اجر و ثواب ہے۔

چودھویں حدیث

حضرت ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سیکون فی اٰخر الزمان دیدان القراء فمن ادرک ذالک الزمان فلیتعوذ باللہ منهم۔ (حلیه)

آخر زمانے میں کیڑے مکوڑوں کی طرح ہر طرف "مُلانے" پھوٹ پڑیں گے پس تم میں سے جو شخص وہ زمانہ پائے تو اُسے چاہیے کہ وہ ان سے خدا کی پناہ مانگے۔

اسی کے ساتھ یہ حدیث بھی پڑھ لیجیے جو مشکوٰۃ شریف میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یاتی علی الناس زمان یکون حدیثهم فی مساجدهم فی امر دنیاهم فلا تجالسوهم فلیس لله فیهم حاجة۔

(مشکوٰۃ)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جبکہ لوگ اپنی مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرینگے جب ایسا زمانہ آجائے تو تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا۔ اللہ ایسے لوگوں سے بے پروا ہے۔

پندرھویں حدیث محدث کبیر امام ابویعلیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تخریج فرمائی اور صاحب ابریز نے اسے اپنی کتاب میں نقل کیا:

عن انس قال کان فینا شاب	حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ مدینے میں
ذو عبادۃ و زھد و اجتھاد	ایک بڑا ہی عابد و زاہد نوجوان تھا ہم نے
فسمیناہ لرسول اللہ صلی اللہ	ایک دن حضور سے اس کا تذکرہ کیا۔
تعالیٰ علیہ وسلم فلم یعرفہ و	حضور اسے نہیں جان سکے پھر اس کے حالات
وصفناہ بصفۃ فلم یعرفہ فبینما	واوصاف بیان کیے جب بھی حضور اسے
نحن کذالک اذ اقبل فقلنا	نہیں پہچان سکے۔یہاں تک کہ ایک دن
یارسول اللہ ھو ھذا فقال	وہ اچانک سامنے آگیا۔جیسے ہی اس پر
انی لاریٰ علیٰ وجھہ سفعۃ	نظر پڑی ہم نے حضور کو خبر دی کہ یہ وہی
من الشیطان فجاء فسلم فقال	نوجوان ہے۔حضور نے اس کی طرف
لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	دیکھ کر ارشاد فرمایا میں اس کے چہرے پر
وسلم اجعلت فی نفسک ان	شیطان کے دھبے دیکھتا ہوں۔اتنے میں
لیس فی القوم خیر منک فقال	وہ حضور کے قریب آیا اور سلام کیا۔
اللھم نعم ثم ولیّ فدخل	حضور نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا
المسجد فقال رسول اللہ	کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تو ابھی اپنے
صلی اللہ علیہ وسلم من یقتل	دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ تجھ سے بہتر یہاں
الرجل فقال ابوبکر انا	کوئی نہیں ہے۔اس نے جواب دیا۔ہاں
ندخل فاذا ھو قائم یصلی	اسکے بعد جیسے ہی وہ مسجد کے اندر داخل ہوا
فقال ابوبکر کیف اقتل	حضور نے آواز دی کہ کون اسے قتل کرتا ہے
رجلا وھو یصلی وقد نھانا النبی	حضرت ابوبکر نے جواب دیا میں۔جب اس ارادہ
صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل المصلین	سے وہ مسجد کے اندر گئے تو اسے نماز پڑھتا

فقال رسول الله صلی الله
علیه و سلم من یقتل
الرجل فقال عمر انا یا رسول
الله فدخل المسجد فاذا هو
ساجد فقال مثل ما قال ابو
بکر و اراد لارجعن فقد
رجع من هو خیر منی فقال
رسول الله صلی الله علیه وسلم
مه یا عمر فذکر له فقال رسول
الله صلی الله علیه وسلم من
یقتل الرجل فقال علی انا فقال
انت تقتله ان وجدته فدخل
المسجد فوجده قد خرج
فقال اما و الله لو قتله لکان
اولهم و آخرهم و لما
اختلفا فی امتی اثنان -
(ابریز شریف ص۲۷)

واپس لوٹ آئے اور اپنے دل میں خیال
کیا کہ ایک نمازی کو کیسے قتل کروں جبکہ
حضور نے نمازی کے قتل سے منع کیا ہے
پھر حضور نے آواز دی کون اسے قتل
کرتا ہے حضرت عمر نے جواب دیا۔ میں۔
جب مسجد کے اندر گئے تو اس وقت
نوجوان سجدہ کی حالت میں تھا۔ وہ بھی اسے
نماز پڑھتا دیکھ کر حضرت ابوبکر کی طرح
واپس لوٹ آئے۔ پھر حضور نے آواز دی
کہ کون اسے قتل کرتا ہے۔ حضرت علی
نے جواب دیا۔ میں۔ حضور نے فرمایا تم
اسے ضرور قتل کر دو گے بشرطیکہ وہ
تمہیں مل جائے لیکن جب حضرت علی مسجد
کے اندر داخل ہوئے تو وہ جا چکا تھا۔
حضور نے ارشاد فرمایا اگر تم اسے قتل
کر دیتے تو میری امت کے جملہ فتنہ پردازوں
میں سے یہ پہلا اور آخری شخص ثابت ہوتا
میری امت کے دو افراد بھی آپس میں
کبھی نہیں لڑتے۔

حاصل مطالعہ یہ پندرہ حدیثیں آپ کی نظر کے سامنے ہیں۔ میں درخواست کروں گا کہ ایک بار پھر انہیں غور سے پڑھ جائیے۔ بات اس پیغمبر ذی شان کی ہے جو غیب کے رموز اور مستقبل کے اسرار سے پوری طرح واقف ہے۔ اس لیے پچھم کا سورج پورب کی طرف ڈوب سکتا ہے لیکن نبی کی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔

میں آپ کو غیرتِ حق کی قسم دیتا ہوں۔ مذکورہ بالا حدیثوں پر ذرا بھی یقین ہو تو ہاتھ میں انصاف و دیانت کا چراغ لے کر تلاش کیجئے کہ آخری زمانے میں جس گروہ کے ظہور کی پیغمبر نے خبر دی ہے آج وہ گروہ کہاں ہے؟ خدا کا شکر ہے کہ خبر دینے والے نے اس گروہ کو مختلف نشانیوں کے ذریعہ اتنا واضح کر دیا ہے کہ اب وہ دوپہر کے اجالے میں ہے۔ نشانیاں اسی لیے بتائی گئی ہیں کہ ان کی روشنی میں دین و ایمان کے غارتگروں کا سراغ لگایا جائے۔
میں یقین کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص نبی کی خوشنودی کے مقابلے میں اپنی خواہشات کا غلام نہیں ہے تو اس کے لیے اس فتنے سے نظر بچانا بہت مشکل ہے۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان پندرہ حدیثوں کے درمیان بکھری ہوئی جملہ نشانیوں کو اگر آپ ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیں تو واقعات و مشاہدات کی سطح سے نجدی گروہ یا تبلیغی جماعت کی تصویر اچانک اُبھر آئے گی۔

اور زحمت نہ ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنی نگاہ کا سرشتہ میری نوک قلم کے ساتھ جوڑ دیجئے۔ میں حدیثوں کے انبار سے نشانیاں چنتا جا رہا ہوں آپ جوڑتے جائیے۔ کچھ ہی دیر میں تبلیغی جماعت کی تصویر نہ بن جائے تو میرے قلم پر سے اپنا اعتماد اٹھا لیجئے گا۔

نشانیوں کی تلاش

(۱) حدیث ۱ تا ۸ میں بتایا گیا ہے کہ کفر اور شیطان کے فتنے کا مرکز مدینہ کے مشرقی سمت پر واقع ہونے والا نجد کا خطہ ہے اسی مشرقی خطے سے مسلمان نام کا ایک گروہ اٹھے گا جو قرآن پڑھے گا لیکن قرآن اس کے حلق کے نیچے نہیں اُترے گا۔ وہ لوگوں کو قرآن اور دین کی طرف بلائے گا لیکن دین سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اب تجربات کی روشنی میں پرکھ لیجئے کہ سوا تبلیغی جماعت کے آج وہ کون سا گروہ ہے جس کا ایک کنارہ دہلی میں ہے تو دوسرا کنارہ نجد کے "ریاض" سے جا ملتا ہے۔

(۲) حدیث ۹، ۱۰، ۱۱ ذو الخویصرہ نامی جس گستاخ رسول کا واقعہ بیان کیا گیا ہے وہیں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ قبیلۂ بنی تمیم کا آدمی تھا اور آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا گروہ اسی کی نسل سے ہوگا۔ اب عرب کے مستند مورخین کا ایک تازہ انکشاف ملاحظہ فرمائیے۔
مشہور مورخ علامہ زینی دحلان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

واصرح من ذلک ان ھذا المغرور محمد ابن عبدالوھاب بن تمیم فیحتمل انه من عقب ذی الخویصرۃ التمیمی الذی جاء فیه حدیث البخاری عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه۔ (الدرر ص ۵۱)

اور سب سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کا سلسلۂ نسب بنی تمیم سے ہے۔ اس لیے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ ذوالخویصرہ تمیمی کی نسل سے ہو جس کے متعلق بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث منقول ہے۔

علاوہ ازیں خوارج کے بارے میں صاحب لمعات نے لکھا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ذوالخویصرہ تمیمی کی نسل سے نہیں تھا۔ ان کی عبارت کے الفاظ یہ ہیں: لم یکن فی الخوارج قوم من نسل ذی الخویصرہ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۳۵)۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ حدیث ۹، ۱۰، ۱۱ میں ظاہر ہونے والے گروہ سے نجدی گروہ مراد لینا حقیقت واقعہ کے عین مطابق ہے۔

(۳) حدیث ۱۲ میں اس گروہ کی ایک پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن اور دین کی طرف بلائیں گے حالانکہ ان کا دین سے کچھ بھی تعلق نہ ہوگا۔ اس خبر کی تصدیق کرنا چاہتے ہوں تو تبلیغی جماعت کے حلقہائے درس قرآن اور اُن کے دعوتی اجتماعات کو دیکھ لیجئے۔ لوگوں کو دین اور قرآن کی طرف بلاتے بلاتے اُن کی زبانیں خشک ہو جاتی ہیں لیکن کسی روزن سے جھانک کر دیکھیے تو یہ ساری نمائش محض اس لیے ہے کہ دین میں فساد پیدا کریں۔

(۴) حدیث ۱۲، ۱۳ میں اس گروہ کی ایک پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اُوپر سے باتیں اچھی کریں گے لیکن اندر سے عمل اس کے خلاف ہوگا۔ قول و فعل کا یہ تضاد دیکھنا چاہتے ہوں تو تبلیغی جماعت کو دیکھ لیجئے باتوں کی حد تک وہ کتنے سراپا اخلاص، اسلام دوست اور خوشنما نظر آتے ہیں لیکن کردار دیکھیے تو اب تک لاکھوں خوش عقیدہ مسلمانوں کا ایمان غارت کر چکے ہیں توحید کا نام لے کر رسالت کی تنقیص کرنا اس گروہ کا جماعتی شعار بن چکا ہے۔

(۵) حدیث ۱۰ میں اس گروہ کی ایک پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ صرف مسلمانوں کا

خون بہائیں گے، مشرکین سے کوئی چھیڑ نہیں کریں گے۔ نجدی گروہ کے بارے میں اس خبر کی تصدیق کرنا چاہتے ہوں تو مولانا محمد علی جوہر کا یہ منصفانہ بیان پڑھیے۔ پچھلے صفحات میں مولانا حسین احمد صاحب کا بھی اسی طرح کا بیان گزر چکا ہے؛

"نجد اور نجدیوں کا یہی کارنامہ ہے کہ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کے خون میں ان کے ہاتھ رنگے ہیں اور غالباً اس وقت بھی یمن کے مسلمانوں پر جنگ کی تیاری ہے حالانکہ سر گلبرٹ (عیسائی ڈپلومیٹ) سے حدود حرم کے سامنے ہی ملاقات کرکے انھوں (نجدیوں) نے برطانیہ سے معاہدہ کیا ہے کہ برطانوی انقلاب کے حدود کے خلاف قدم نہیں اٹھائیں گے"۔ مقالات محمد علی حصّہ اول ص ۳۷۔

تبلیغی جماعت اور نجدی گروہ کے درمیان چونکہ کوئی خاص فرق نہیں ہے اس لیے یہ نشانی تبلیغی جماعت کا بھی انجام معلوم کرنے کے لیے کافی ہے۔

(۶) حدیث ۵، ۱۱، ۱۲ میں اس گروہ کی ایک خاص پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ التزام کے ساتھ اپنا سر منڈائیں گے۔ گویا یہ فعل ان کا جماعتی شعار بن جائے گا۔ اب اس کی تصدیق کے لیے عرب کی مستند تاریخ الفتوحات الاسلامیہ کے مصنف کا یہ بیان پڑھ لیجیے؛

سیماھم التحلیق تصریح بھذہ الطائفۃ لانھم کانوا یامرون کل من اتبعھم ان یحلق راسہ ولم یکن ھذا الوصف لاحد من الخوارج والمبتدعۃ الذین کانوا قبل ھؤلاء۔ (الفتوحات الاسلامیہ ج ۲ ص ۲۶۸)	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان کہ ان کی خاص نشانی سر منڈانا ہے۔ یہ نجدی گروہ کے حق میں بالکل صراحت ہے کیونکہ یہی لوگ اپنے متبعین کو سر منڈانے کی ہدایت کرتے ہیں۔ سرکار کی بتائی ہوئی یہ نشانی خوارج اور گزشتہ بددین فرقوں میں سے کسی فرقہ کے اندر موجود نہیں تھی۔ یہ شعار صرف فرقہ وہابیہ نجدیہ کا ہے۔

ایک عجیب نکتہ لفظ "تحلیق" کی لغوی تشریح کے سلسلے میں بحث و نظر کا ایک گوشہ بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تحلیق کا ترجمہ عام طور پر

"سرمنڈانا" کیا جاتا ہے لیکن دیوبند کی معتمد کتاب مصباح اللغات ص ۱۴۸ میں اس کے ہم مادہ لفظ کا ترجمہ "چکر لگانا" اور "حلقے میں بیٹھنا" بھی کیا گیا ہے۔ خالی الذہن ہو کر سوچیے تو یہ دونوں ترجمے تبلیغی جماعت پر پوری طرح فِٹ ہو جاتے ہیں۔ ایک ترجمہ اگر ان کی "چلت پھرت" کو بتاتا ہے تو دوسرا ترجمہ ان کے "اجتماع" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۷) حدیث ۹ میں اس گروہ کی ایک پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نماز اتنی نمائشی پابندی یا اتنے ظاہری اہتمام و خشوع کے ساتھ پڑھیں گے کہ دوسرے لوگ اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھنے لگیں گے۔ تبلیغی جماعت کا یہ وصف اتنا ظاہر ہے کہ اب اس کے متعلق کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر آپ کو ایسے بے شمار نمازی ملیں گے جنھیں نماز پڑھتے ہوئے چالیس پچاس سال گزر گئے لیکن ان کی پیشانیاں نمائشی سجدوں کے نشان سے بے داغ ہیں اور یہاں تبلیغی جماعت کے نمازیوں کو جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہو پاتے کہ ان کی پیشانیاں داغدار ہو جاتی ہیں۔ اب اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا تلاش کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ سجدہ نہیں کرتے، پیشانیوں کو سجدوں سے داغا کرتے ہیں تاکہ مسلمانوں پر اپنی نماز خوانی کی دھونس جمائیں۔

(۸) حدیث ۹، ۱۰، ۱۵ میں اس گروہ کی ایک پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اپنی نماز و عبادت کی نخوت میں اپنے سوا سب کو حقارت کی نظر سے دیکھنا، اپنے سے بڑوں بڑوں کو برملا ٹوکتے پھرنا، یہاں تک کہ انبیاء و اولیاء کی بھی تنقیص کرنا اس گروہ کا جماعتی شعار ہوگا۔

تبلیغی جماعت کے حق میں اس نشانی کی تصدیق کرنا چاہتے ہوں تو مولوی عبدالرحیم شاہ دیوبندی کی تقریر کا یہ حصہ پڑھیے:

"میں ہر جمعہ کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم کی خدمت میں برابر حاضر ہوتا تھا اور جماعت کے بے ضابطہ مقررین کی شکایات عرض کرتا رہا کہ میں بہت سے موقعوں پر خود سُن چکا ہوں کہ یہ لوگ علماء کرام اور مدارس کا مختلف انداز سے استخفاف (تحقیر) کرتے ہیں۔ آپ حضرات کو جلد از جلد اس کی شدت سے روک تھام کرنا چاہیے۔ علماء کرام کو سخت شکایات ہیں"۔ اصول دعوت و تبلیغ ص ۴۳۔

دوسری جگہ موصوف نے اُس مردم آزار نخوت کا ماتم ان الفاظ میں کیا ہے — کہتے ہیں:

"کچھ عجیب سی بات ہے جو تبلیغی جماعت سے جتنا قریب تر ہوتا ہے وہ اتنا ہی دوسرے علماء سے بعید تر ہوتا چلا جاتا ہے آخر ایسا کیوں؟ اور جس نے دو چار چلے دے دیئے تو پھر تو اس کی ترقیٔ درجات کے کیا کہنے پھر تو وہ علماء کی بھی کوئی حقیقت اپنے سامنے نہیں سمجھتا"۔ اصول دعوت و تبلیغ ص ۵۰۔

اور تبلیغی جماعت کے لوگوں میں تنقیص انبیاء کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش دیکھنا چاہتے ہوں تو بانیٔ جماعت مولوی الیاس صاحب کے ایک خط کا یہ حصہ پڑھیے جسے انھوں نے تبلیغی جماعت کے کارکنوں کے نام لکھا تھا۔ لکھتے ہیں:

"اگر حق تعالیٰ کسی سے کام نہیں لینا چاہتے تو چاہے انبیاء بھی کتنی کوشش کریں تب بھی ذرہ نہیں ہل سکتا اور اگر کرنا چاہیں تو تم جیسے ضعیف سے بھی وہ کام لے لیں جو انبیاء سے بھی نہ ہو سکے"۔ مکاتیب الیاس ص ۱۰۷۔

(۹) حدیث نمبر ۱۳ میں اس گروہ کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ سادہ لوح، بے سمجھ اور نو عمر لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ تبلیغی جماعت کے حق میں اس نشانی کی تصدیق کرنا چاہتے ہوں تو ان کے کسی بھی اجتماع میں پہنچ جائیے وہاں دونوں ہی طرح کے لوگ آپ کو مل جائیں گے بہت بڑی تعداد اُن کم پڑھے لکھے سادہ لوح عوام کی نظر آئے گی جو اپنی خوش فہمی میں دین کا کام سمجھ کر تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو گئے ہیں اور دوسرا گروہ اسکولوں، کالجوں، مدرسوں اور مسلم آبادی کے ان پُرجوش نوجوانوں کا ملے گا جو اپنے مذہبی جذبے کی تسکین کا ذریعہ سمجھ کر تبلیغی جماعت سے وابستہ ہیں۔ کوئی اپنی سادہ لوحی اور حماقت مآبی سے فریب کا شکار ہے، اور کوئی اپنی نو عمری اور ناتجربہ کاری کے سبب غلط فہمی میں مُبتلا ہے۔ چہرے کا نقاب الٹ کر کسی نے بھی اصل حقیقت سے واقفیت بہم پہنچانے کی کوشش نہیں فرمائی ہے۔

(۱۰) حدیث ۱۴ میں بتایا گیا ہے کہ آخری زمانے میں کیڑے مکوڑوں کی طرح ہر طرف ٹلے ہی ٹلے نظر آئیں گے اور مسجدوں کو چوپال بنا لیا جائے گا۔ تجربات و مشاہدات کے

آئینے میں دیکھیے تو تبلیغی جماعت اس پیشین گوئی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ لاتعداد ایسے افراد اس گروہ سے پھوٹ پڑتے ہیں جو تبلیغی نصاب کی چند اردو کتابیں پڑھ کر "مولانا" بن گئے ہیں اور بڑے بڑے علماء کو بھی اب وہ خاطر میں نہیں لاتے۔ جیسا کہ اس کا شکوہ اب اس گروہ کے علماء بھی کرنے لگے ہیں۔ مولوی عبدالرحیم شاہ دیوبندی کے یہ الفاظ پڑھیے:

"غور کا مقام ہے کہ کوئی شخص بغیر سند کے کمپوڈر تک نہیں ہو سکتا مگر (ان) لوگوں نے دین کو اتنا آسان سمجھ لیا ہے کہ جس کا جی چاہے وعظ و تقریر کرنے کھڑا ہو جائے کسی سند کی ضرورت نہیں۔ ایسے ہی موقعہ پر یہ مثال خوب صادق آتی ہے نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان"۔ (اصول دعوت و تبلیغ ص ۹۸)۔

اسی سلسلے میں موصوف کی تقریر کا یہ حصہ بھی پڑھنے کے قابل ہے:

"میرے بزرگو! جب ناواقف و نا اہل لوگ منصب خطابت پر فائز ہوں گے تو وہ اپنے مبلغ علم کے مطابق ہی نہیں بولیں گے بلکہ اپنے علم سے آگے نکتے پیدا کریں گے۔ ان کو اتنی جرأت ہو گئی کہ وہ لوگ اپنے خطابات میں تنبیہات فرماتے ہیں"۔

اور مسجدوں کا حال کیا پوچھتے ہیں کہ تبلیغی جماعت کے ان خانہ بدوشوں کی بدولت اب وہ مسجد کے سوا سب کچھ ہیں۔ کھانا پکانے، کھانا کھانے اور لیٹنے سونے سے لے کر زندگی کے دوسرے مشاغل تک سارے دنیوی امور اب وہیں انجام پاتے ہیں۔ مسجدوں کی بے حرمتی کے ایسے ایسے جگر سوز حالات سننے میں آتے ہیں کہ کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔

(۱۱) حدیث نمبر ۶-۱۲ میں بتایا گیا ہے کہ یہ گروہ مختلف ناموں، مختلف شکلوں اور مختلف رنگ و روپ کے ساتھ ہر دور میں موجود رہے گا یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔ تبلیغی جماعت پر یہ دونوں حدیثیں پوری طرح منطبق ہوتی ہیں کیونکہ تبلیغی جماعت جن عقائد باطلہ کی علمبردار ہے وہ بالکل وہی ہیں جنھیں ابن عبدالوہاب نجدی، ابن تیمیہ اور ابن قیم سے لے کر معتزلہ اور خوارج تک ہر دور کے باطل پرستوں نے مختلف ناموں، مختلف جماعتوں اور مختلف رنگ و روپ کے ساتھ پروان چڑھایا ہے۔ صرف نام نیا ہے باقی ساری گمراہیاں پرانی ہیں۔

یہیں سے اس تاویل کا بھی دروازہ بند ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ؐ نے جس جماعت کے ظہور کی خبر دی تھی وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں نیست و نابود ہو گئی کیونکہ یہاں سوال کسی متعین جماعت کا نہیں ہے بلکہ اس کا فرانہ ذہن کا ہے جو اُس وقت بھی موجود تھا اور ناموں کے اختلاف کے ساتھ آج بھی موجود ہے اور بدلتے ہوئے ظرف و احوال کے مطابق خروج دجال تک موجود رہے گا۔

(۱۲) حدیث نمبر ۱۱-۱۲ میں اُس گروہ کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ یہ اپنے مزاج اور سرشت کے لحاظ سے نہایت بدترین لوگ ہوں گے۔ تبلیغی جماعت کے حق میں اگر آپ اس نشانی کی تصدیق کرنا چاہتے ہوں تو کسی پختہ کار تبلیغی کو ٹٹول کر دیکھ لیجئے۔ نہایت خشک مزاج، بدخواور متکبر اُسے آپ پائیں گے روحانی شگفتگی، ذوق لطیف، گداز قلب اور کیف عشق سے وُہ یکسر محروم نظر آئے گا بلکہ نجدیوں کے حق میں تو شقاوت قلب کی صاف و صریح حدیث وارد ہوئی ہے تبلیغی جماعت کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔

(۱۳) حدیث نمبر ۵-۱۲ میں اس گروہ کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ ایک بار حق سے منحرف ہو چکنے کے بعد دوبارہ حق کی طرف واپسی ان کے لیے ناممکن ہو جائے گی تبلیغی جماعت کے حق میں اس نشانی کی تصدیق کرنا چاہتے ہوں تو کسی بھی سرگرم تبلیغی کو جانچ لیجئے۔ لاکھ آپ کوشش کریں گے کہ وہ عقیدے کے فساد سے ہٹ جائے رسول عربی کے گستاخوں کا ساتھ نہ دے۔ مقبولانِ حق کی بارگاہوں سے عقیدت رکھے لیکن وہ عشق و ایمان کی سچائیوں کی طرف کبھی پلٹ کر واپس نہیں آئے گا۔

ذہن کا آخری کانٹا

قبل اس کے کہ مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں آپ تبلیغی جماعت کے متعلق کوئی فیصلہ کریں مجھے چند لمحے کے لیے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے احساس کی نبض پہ ہاتھ رکھ کر آپ سے ایک بات کہوں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ تبلیغی جماعت کے خلاف کوئی فیصلہ کرتے ہوئے آپ کو جو سب سے بڑی الجھن پیش آئے گی وُہ یہ ہے کہ ایک ایسی جماعت جو قرآن اور دین کی طرف لوگوں کو بلاتی ہے۔ نماز اور روزہ کی خود بھی پابند ہے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتی ہے۔

لوگوں کو اچھی باتوں کی تلقین کرنا جس نے اپنا مقصدِ حیات ٹھہرالیا ہے اُسے کیونکر گمراہ اور بے دین قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر ایسی دین پرور جماعت بھی گمراہ اور بے دین ہے تو پھر دنیا میں دیندار اور حق پرست کون ہے؟

میں عرض کروں گا تقریباً اسی طرح کی کشمکش حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی اس نوجوان نمازی کے متعلق پیش آئی تھی جسے قتل کرنے کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمایا تھا۔ وہ بھی یہ سوچ کر واپس لوٹ آئے تھے کہ ایک نمازی کو کیونکر قتل کیا جائے۔

اور پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو خبر دی تھی کہ اخیر زمانے میں ایک جماعت نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے، اچھی باتوں کی تلقین کریں گے، نماز و روزہ کا اہتمام ان کے یہاں سب سے زیادہ ہوگا اور اس کے باوجود دین سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا تو اس وقت بھی صحابہ کرام کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ کسی بھی شخص کو دین دار اور پسندیدہ قرار دینے کے لیے یہی ظاہری علامتیں دیکھی جاتی ہیں۔ دل کے اندر کون اترتا ہے۔ اور جب یہی علامتیں بے دین اور منحرف لوگوں کے لیے بھی حضور قرار دے رہے ہیں تو پھر دیندار نمازی اور بے دین نمازی کے درمیان امتیاز کس طرح کیا جائے گا؟

غالباً اسی حیرانی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے سب کچھ سُن لینے کے بعد پھر یہ سوال کیا کہ وما سیماھم؟ یا رسول اللہ ان کی خاص علامت کیا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ یہی علامتیں تو خدا پرست اور دین دار مسلمانوں کی بھی ہیں کوئی ایسی علامت بتائیے جو اسی بے دین اور گمراہ کن جماعت کے ساتھ خاص ہو تو اس کے جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ سیماھم التحلیق ان کی خاص علامت سر منڈانا ہوگی۔

کہنے کا مدعا یہ ہے کہ جن اوصاف کی وجہ سے آپ تبلیغی جماعت کو پسند فرماتے ہیں دراصل وہی اوصاف ہمیں ایک ایسی جماعت سے روشناس کراتے ہیں جو اخیر زمانے میں ظاہر ہوگی اور جس سے علیحدہ رہنے کی رسول عربی نے اپنی امت کو تاکید فرمائی ہے۔ اگر تبلیغی جماعت ان اوصاف کی حامل نہ ہوتی تو اس کی طرف سے بدگمانی کا کوئی سوال ہی

نہیں پیدا ہوتا۔ خطرہ محسوس کرنے کا باعث تو در اصل اس کے یہ اوصاف ہی ہیں۔

نسخہ شفا اچھا! ساری بحث جانے دیجیے کم ازکم حدیثوں پر یقین کے نتیجے میں اتنا تو آپ بھی تسلیم کریں گے کہ اخیر زمانے میں ایک جماعت نکلے گی جو مذکورہ بالا اوصاف کی حامل ہوگی۔ اگر وہ تبلیغی جماعت نہیں تو پھر آپ ہی بتائیے کہ دوسری وہ کون سی جماعت ہے جس میں ماسبق حدیثوں کی بیان کردہ علامتیں پائی جا رہی ہیں۔

اس لیے ذہنی خلجان کا علاج یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کو صرف روزہ، نماز اور چند ظاہری خوبیوں کے رُخ سے نہ دیکھیے بلکہ احادیث میں اُس بے دین جماعت کی جتنی علامتیں بیان کی گئی ہیں اُن ساری علامتوں کے آئینے میں تبلیغی جماعت کا جائزہ لیجیے۔ روزہ، نماز اور دینی دعوت تو اُن علامتوں کا صرف ایک حصّہ ہے۔ تصویر کا صرف ایک رُخ دیکھ کر پُوری شخصیت کا سراپا معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔

ضمیر کا فیصلہ ان حالات میں اب مومن کا ضمیر ہی اس کا فیصلہ کرے گا کہ رسول پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک ہونے میں ہے یا اس سے علیحدہ رہنے میں؟ یہ سوال صرف ان لوگوں سے ہے جنھیں صرف خدا اور رسول کی خوشنودی کا جذبہ تبلیغی جماعت کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ باقی رہ گئے وُہ لوگ جو کسی مادی منفعت کی لالچ یا مذہبی شقاوت کے جذبے میں تبلیغی جماعت کے ساتھ ہو گئے ہیں تو اُن کے متعلق میں صرف اتنا کہوں گا کہ وُہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں جتنی دُور تک جانا چاہیں چلے جائیں۔ احترام نبوت کے قانون کی اب کوئی زنجیر ان کے اُٹھے ہوئے قدموں کو نہیں روک سکتی۔ لیکن صرف اتنی سچائی برقرار رکھیں کہ اپنے نفس کے شیطان کی فرماں برداری کرتے وقت خدا اور رسول کی خوشنودی کا نام نہ لیا کریں۔

ویسے کرنے کے لیے تو آدمی گناہ بھی کرتا ہے مگر وُہ گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہے ثواب نہیں گردانتا۔ اس طرح کے گنہگاروں سے کسی دن بھی واپسی کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن جو لوگ کہ گناہ کو ثواب، شقاوت کو توحید اور بغاوت کو ایمان سمجھ لیتے ہیں ان کی واپسی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ غالباً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد پاک میں اسی مفہوم

کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وُہ دین سے نکل جانے کے بعد پھر دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے۔

بہرحال یہ کہتے ہُوئے اب اس بحث کا سلسلہ ختم کرتا ہوں کہ جن اوصاف کی وجہ سے لوگ تبلیغی جماعت کو پسند کرتے ہیں افسوس کہ وہی اوصاف ہیں اس گروہ سے بھی روشناس کراتے ہیں جس کی نشان دہی آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر خدا کے آخری پیغمبر نے فرمائی تھی اور اپنی وفادار اُمت کو تاکید کی تھی کہ جب ان نشانیوں کا کوئی گروہ تمہیں ملے تو تم اس سے دور رہنا۔

اب جس امتی کو اپنے رسول کی خوشنودی عزیز ہو وہ تبلیغی جماعت سے دُور رہے اور جو اپنی خواہش نفس کا غلام ہو اُسے ایک وفادار مومن کی روش اختیار کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔

الوداعی کلمات

اب اس کتاب کے خاتمے پر میں آپ سے چند آخری کلمات کہہ کر رخصت ہو رہا ہوں۔ اپنی معلومات کے مطابق تبلیغی جماعت سے متعلق جتنے حقائق میں نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں، اُن پر پُرخلوص جذبے کے ساتھ غور فرمائیں۔

آپ اگر تبلیغی جماعت کے ساتھ منسلک ہیں تو میں آپ کی نیت پر حملہ نہیں کروں گا۔ ہو سکتا ہے آخرت کا شوق ہی آپ کو اس طرف کھینچ کر لے گیا ہو۔ لیکن کیا ایک لمحے کے لیے آپ یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ میں نے اس کتاب میں تبلیغی جماعت کے خلاف جتنے حقائق پیش کیے ہیں کیا وُہ سب کے سب یکلخت غلط اور بے بنیاد ہیں؟ فرض کیجئے آپ کے تئیں سارے الزامات غلط ہیں تو کیا اُن حدیثوں کو بھی آپ غلط کہہ دیجئے گا جن کے ذریعہ تبلیغی جماعت سے علیحدگی میں رسول پاک کی خوشنودی کا پتہ چلتا ہے۔ بہرحال آپ کے تئیں تبلیغی جماعت میں اگر کچھ خیر کا حصّہ تو از روئے انصاف "شر" کا حصّہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لیے تھوڑے سے خیر کے لیے اپنے آپ کو بہت بڑے شر میں مبتلا کر دینا نہ اسلام ہی کا مطالبہ ہے اور نہ عقل ہی کا تقاضا۔ تبلیغی جماعت کا ساتھ دینے میں اخروی مضرت کا یقین نہ سہی اس سوال کا احتمال تو بہرحال ہے کہ رسول کی نشان دہی کے باوجود تم نے ایسی جماعت کا ساتھ کیوں دیا، لیکن علیحدہ رہنے میں کوئی خطرہ نہیں نہ دنیا کا نہ آخرت کا!

اس کتاب کی آخری سطریں لکھتے ہوئے میں رُوحانی اطمینان محسوس کرتا ہوں کہ اُمت کو ایک عظیم خطرہ سے آگاہ کرنے کا فرض میں نے اپنے سر سے اتار دیا۔ اب انجام کے فیصلے کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جن کے ہاتھوں میں یہ کتاب ہے۔

دُعا ہے کہ خدائے قدیر اس کتاب کے ذریعہ اپنے سادہ لوح بندوں کو سلامتی کی منزل کی طرف واپسی کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیّدنا محمدٍ و آلہ وصحبہ اجمعین۔

تمّت بالخیر